تالیف

محمد سعید اسعد

فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب : ضیاء العقائد 85109
مصنف : مولانا محمد سعید اسعد
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام : ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
تاریخ اشاعت : جون 2011ء بار سوم
ناشر : ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تعداد : ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ : DR52
قیمت : -/111 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 37225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون: 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

انتساب

نازشِ دودمانِ چشت اہل بہشت

وارثِ فیضانِ ضیاء الامت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

عزت مآب حضرت قبلہ

پیر محمد امین الحسنات شاہ مدظلہ العالی

(سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیریہ بھیرہ شریف)

کی ذات ستودہ صفات کے نام

جن کی نگاہ کرم نے مجھے اس قابل بنایا۔

محمد سعید اسعد

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(1)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ

وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

اَلْاِيْمَانُ

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عُمَرَ: وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

عرض مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین المبعوث رحمۃ للعالمین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

أما بعد

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (جن وانس) کی پیدائش کا مرکزی مقصد یوں بیان فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

(میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا)

عبادت کا معنی اظہار عبودیت وبندگی۔ عبادت الٰہی سے ہی انسان قرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔ اعلیٰ علیین کے مقام پر فائز ہوسکتا ہے۔ اگر عبادت کرنے کا مقصد رضائے الٰہی ہوتو انسان بہت جلد اپنی منزل مقصود کو پالیتا ہے۔

حقیقی عبادت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس انہماک سے کر کہ گویا تو بارگاہ الٰہی میں حاضر ہے وہ ذات اقدس تیری ہر حرکت کو دیکھ رہی ہے۔ اگر تو اس کی رضا کے مطابق عبادت کرے گا تو اس سے وہ خوش ہوگا اور تجھے اپنے قرب خاص میں داخل کرے گا۔ پھر وہ تجھے اپنا محبوب بنالے گا اگر تو اس اعلیٰ مقام کی صلاحیت نہیں رکھتا تو کم از کم تیرے سامنے یہ بات ضرور واضح ہو کہ وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ تیری حرکات وسکنات کا مشاہدہ کر رہا ہے وہ تیرے ظاہری عمل کو بھی دیکھ رہا ہے اور تیرے دل میں جتنا اخلاص وللہیت ہے اس کو بھی دیکھ رہا ہے۔

اگر ان تمام امور کے بارے میں انسان کا عقیدہ درست نہ ہو ظاہری طور پر جیسا بھی ہو

لیکن دل سے اس کا نہ اقرار کرتا ہو اور نہ خلوص ہو تو ایسی عبادت رب کریم کی بارگاہ میں پرکاہ کی وقعت نہیں رکھتی۔

خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے محبوب بندوں، انبیاء کرام، اولیاء کرام کے بارے میں انسان کا عقیدہ بالکل واضح ہونا چاہئے اگر اس میں بھی کوئی کجی رہ گئی پھر بھی انسان کے اعمال رب کی بارگاہ میں قابل قبول نہ ہوں گے۔

ایک مسلمان آدمی کے لئے تو از بس ضروری ہے کہ اپنے آقائے دوجہاں ﷺ کے بارے میں نہایت واضح عقیدہ رکھتا ہو یہ وہ ذات قدسی صفات ہے جس کے بارے میں رب کریم نے خود ارشاد فرمایا:

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔

اگر آپ کی تخلیق مقصود نہ ہوتی تو میں افلاک کو بھی پیدا نہ کرتا۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے: حدیث قدسی ہے:

لَوْلَاكَ لَمَآ اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ۔

اگر آپ کو پیدا کرنا مطلوب نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا۔

ایسی ذات والا صفات کے بارے میں نہایت واضح انداز میں اس کے ماننے والوں کو علم ہونا چاہئے کہ اللہ کریم نے ان کے آقا و مولا ﷺ کو کون کون سے اعلیٰ مقامات ارزانی فرمائے ہیں۔

بعض ناہنجار کم فہم اور بد بخت لوگ آقائے دوعالم نور مجسم ﷺ کی ذات اقدس پر عجیب قسم کے اعتراضات کرتے ہیں کہ انسان ان کو سن کر شرم کے مارے پانی پانی ہو جاتا ہے کہ وہ آدمی جو کلمہ پڑھتا ہے کلمہ پڑھنے میں اگر محمد رسول اللہ نہ پڑھا جائے تو انسان مسلمان نہیں کہلا سکتا جس کے صدقے اللہ تعالیٰ نے کفر کی ذلت و رسوائی سے نکال کر اسلام کی عظمت کے قلعہ میں داخل ہونے کا شرف عطا فرمایا۔

جس کی برکت سے انسان مسلمانوں میں اپنے آپ کو شامل کرتا ہے اور ابدی سعادتوں

سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

اسی ذات کے بارے میں طرح طرح کی نازیبا باتیں کرنا ایک مسلمان کہلانے والے آدمی کو قطعاً زیب نہیں دیتیں۔ میرے خیال میں ایسی باتیں کرنے والا بدبخت انسان خود اپنے لئے جہنم کی آگ کا سامان کرتا ہے جس آدمی کے دل میں اپنے آقا و مولا کی ذات کے بارے میں ایسی باتوں کا شبہ تک ہو وہ مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں چہ جائیکہ اتنی ہرزہ سرائی کرنا، اتنی بے باکی سے آپ کی ذات اقدس کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کرنا جس کو سن کر جسم کانپ جاتا ہے۔ دل لرز اٹھتا ہے۔

اس مادیت گزیدہ دور میں جبکہ ہر طرف نفسانفسی کا عالم ہے، ہر شخص مادی لذات اور دنیاوی عیش و عشرت میں منہمک ہے۔ اسی وجہ سے کوئی کسی پریشانی میں مبتلا ہے اور کوئی کسی مصیبت میں گرفتار۔ دنیاوی گہما گہمی اور جاہ و جلال کے باوصف ہر آدمی کے ہاں سکون قلب نہیں ہے۔

یہ نعمت عظمیٰ ذکر الٰہی اور عبادت خداوندی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ ارشاد رب العالمین ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ (رعد:28)

یہ ذکر ایسا اکسیر ہے جس میں سکون قلب بھی ہے اور ہر درد کا درمان بھی۔ کیونکہ جن وانس کی تخلیق کا مقصد وحید اس کے خالق نے یہی بیان فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات:56)

(میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں)

تمام عبادات اور اعمال صالحہ اس وقت ہی بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل کر سکیں گے۔ جب عبادت گزار کا عقیدہ درست ہوگا، اگر عبادت کرنے والے کا عقیدہ ہی درست نہ ہو تو اسے ان عبادات سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

عبادت کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ اس کے فرشتوں، اس

کی کتب، اس کے رسولوں، قیامت کے دن، تقدیر، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے بارے میں کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟

نیز موجودہ دور میں ایک منظم سازش کے تحت ان عقائد کے بارے میں ناپختہ ذہنوں میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کی جارہی ہے تاکہ لوگوں کو ان کے اعمال کا صحیح فائدہ حاصل نہ ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے اس ناچیز نے ضیاء العقائد کے نام سے یہ کتاب تالیف کی ہے جو ابتدائی کلاسوں کے طلبہ کے لیے ہے۔

ضیاء العقائد میں اس ناچیز نے مقدور بھر کوشش کی کہ سوال وجواب کے ساتھ ان عقائد کے بارے میں تفصیل سے تحریر کروں جو عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہوں تاکہ عام قاری اور خصوصاً مبتدی طلبہ کے ذہن بآسانی اس کو سمجھ سکیں اور جن چیزوں پر اعمال کی قبولیت اور ایمان کے کامل ہونے کا دارومدار ہے ان سے بخوبی آگاہ ہوسکیں اور شکوک وشبہات کے تمام غبار چھٹ سکیں اور دین اسلام کا مطہر ومنور چہرہ روز روشن کی طرح واضح ہوسکے۔

کتاب کے آخر میں عقائد کے بارے کچھ مباحث میں نے حضرت ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تفسیر ضیاء القرآن سے بھی بیان کی ہیں تاکہ طلبہ کو معلوم ہو کہ صاحب ضیاء القرآن کیا رائے رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر میں معترضین کے اعتراضات کے کیا اور کیسے جواب دیئے ہیں۔

میری اس کاوش کو میرے احباب نے ازحد پسند کیا۔ سب سے پہلے محترم المقام الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان صاحب اور محترم مولانا افتخار تبسم صاحب نے اس کا مطالعہ کیا اور اسے خوب پسند فرمایا۔

اس کے بعد مرکزی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے وائس پرنسپل فاضل شہیر حضرت مولانا حافظ محمد خان نوری صاحب مدظلہ نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا اور اپنی چند آراء سے نوازا اور پسند فرمایا۔ اس کے بعد دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے ذیلی اداروں کے

پرنسپل صاحبان کی میٹنگ میں جب اس کو پیش کیا گیا تو قبلہ حضرت پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب پرنسپل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف نے حکم فرمایا کہ اس کو مزید موثر بنانے کے لیے دو قابل فخر علماء اور اساتذہ حضرت مولانا محمد اکرم الازہری صاحب صدر مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ داتا نگر لاہور، اور حضرت مولانا محمد انور قریشی صاحب پرنسپل دار العلوم محمدیہ غوثیہ پنڈ دادنخان کو دکھایا جائے۔

چنانچہ ان دونوں احباب کی خدمت میں مسودہ پیش کیا گیا ان حضرات نے اس کے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ دار العلوم کی ابتدائی کلاس کے طلبہ کے لیے از حد مفید ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ اگر محترم و مکرم بابو غلام مرتضیٰ صاحب سیکرٹری جنرل مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کا شکریہ ادا نہ کروں تو از حد ناشکری ہوگی کہ انہوں نے اور ان کے قریبی ساتھی مولانا شاہد رفیق صاحب نے بھی اس کا بغور مطالعہ کیا اور اس کو پسند فرمایا۔

میں قبلہ الحاج محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب کا سپاس گزار ہوں جن کے توجہ دلانے اور حوصلہ افزائی سے اس کاوش کو منصۂ شہود پر لانے کے قابل ہوا اور آپ کی خصوصی عنایت سے دیدہ زیب انداز میں یہ کتابچہ طلباء کے ہاتھوں کی زینت بنا۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کے طفیل میری اس حقیری کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو اس سے ہدایت کا راستہ نصیب ہو اور رضائے الٰہی حاصل ہو۔

آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الکریم ﷺ

اللّٰھم وفقنی بما تحب وترضٰی بجاہ نبیک المصطفٰی وحبیبک المرتضٰی ﷺ

خاک راہ صاحبدلان

محمد سعید اسعد

دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

عرض ناشر

عمل کے صحیح ہونے کے لیے عقیدے کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ عقیدے کی درستگی پر ہی عمل کی درستگی کا مدار ہے۔ کیونکہ عقیدہ ہی عمل کا محرک اور محور ہے اور انسان کا ہر کام اس کے عقیدے کے گرد ہی گھومتا ہے۔

زیر نظر کتاب ''ضیاء العقائد'' حضرت مولانا محمد سعید اسعد مدظلہ کی حسین کاوش ہے۔ حضرت مولانا دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فاضل اور سینئر مدرس ہیں حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ مخلص اور باوفا رفیق ہیں۔ آپ کے پروردہ اور فیض یافتہ ہیں علوم عربیہ واسلامیہ پر گہری نظر اور کامل دسترس رکھتے ہیں تعلیم وتدریس میں وسیع تجربے اور مہارت کے مالک ہیں۔ یہ کتاب آپ کے علم، مطالعے اور تجربے کی نچوڑ ہے۔

اس سے پہلے بھی ہم نے حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک نایاب کتاب ''تصحیح العقائد'' شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جو اپنی نوعیت کی ایک جامع، منفرد اور بلند پایہ تحقیقی کتاب ہے مگر چونکہ وہ مختصر ہے اس لیے اس سے طلبہ کی تعلیمی ضرورت پوری نہیں ہوتی تشنگی رہتی ہے۔ میری عرصہ سے بڑی خواہش تھی کہ اس موضوع پر کوئی تفصیلی کتاب تیار کراؤں جو دلائل و براہین سے لبریز اور علم و تحقیق سے بھرپور ہو۔ جس میں طلبہ کی تعلیمی ضرورت کا مداوا بھی ہو اور ان کی علمی تشنگی کا سامان بھی، جو دل کو مائل بھی کرے اور ذہن کو قائل بھی۔ ''ضیاء العقائد'' تحریر فرما کر حضرت مولانا صاحب نے گویا میری اس خواہش کی تکمیل کر دی۔ بلاشبہ یہ بڑی خوبصورت، دلکش اور عمدہ کتاب ہے۔ اس میں آپ نے بحث کی بجائے سوال و جواب کے اسلوب میں عقائد کے بارے میں اپنی علمی معلومات فراہم کی ہیں۔ اس سے زیر بحث مسئلہ پوری طرح واضح اور ظاہر ہو جاتا ہے اور کوئی پہلو تشنہ نہیں رہتا۔ عبارت آسان اور دلائل سے مزین ہے۔ دلکش پیرائے میں ممکن حد تک ذہن میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیا گیا ہے۔

میں دار العلوم محمدیہ غوثیہ کی نصاب کمیٹی کے ممبران کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے ہماری اس کوشش کو نہ صرف سراہا بلکہ اسے پذیرائی بخشتے ہوئے مبتدی طلبہ کے لیے پسند فرمایا اور نصاب میں شامل کیا۔ یہ ہمارے لیے اعزاز کی بات ہے امید ہے ہماری یہ دیدہ زیب طباعت کے ساتھ تازہ علمی کاوش طلبہ دین کے لیے مفید اور نافع ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فاضل مرتب کے علم و فضل میں برکت عطا فرمائے اور اسے ہمارے لیے ذریعہ نجات اور وسیلہ بخشش بنائے۔ آمین

طالب دعا

محمد حفیظ البرکات شاہ

شرعی اصطلاحات

اسلام

لغوی معنیٰ: سر جھکانا ہے

شرعی معنیٰ: اس بات کی زبان سے گواہی دینا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۲) حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندۂ خاص اور برگزیدہ رسول ہیں۔

(۳) نماز قائم کرنا۔ (۴) زکوٰۃ ادا کرنا (۵) حج کرنا۔

(۶) ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔

س:۔ اسلام کا کلمہ کیا ہے:

ج: اسلام کا کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" ۔ ہے

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔

ایمان

وہ تمام امور جو نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ان سب کی تصدیق کرنا اور دل سے ماننا ایمان کہلاتا ہے۔

مسلمان

دین اسلام کی پیروی کرنے والے کو مسلمان کہتے ہیں۔

کافر

جو شخص اسلام کو سچا دین نہ مانے، عقائد اسلامی کے خلاف عقیدہ رکھے، حضور ﷺ کے لائے ہوئے احکام اور شعائر اللہ کی تکذیب کرے وہ کافر کہلاتا ہے۔

س:۔کافر کی کتنی قسمیں ہیں؟

ج:۔کافر کی پانچ قسمیں ہیں:

مشرک، کتابی، زندیق، مرتد، منافق۔

مشرک:۔جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک کرے، غیر اللہ کو مستحق عبادت و پرستش تسلیم کرے، مشرک کہلائے گا۔

کتابی:۔جو شخص اللہ تعالیٰ کی دوسری نازل کردہ کتابوں کا بطور نزول اقرار کرے لیکن قرآن کا بطور کتاب اللہ انکار کرے۔

زندیق:۔جو کسی دین کا پیروکار نہ ہو۔

مرتد:۔اسلام کا کلمہ پڑھ کر جو شخص زبان سے کفریہ کلمات کہے یا اسلام سے بیزاری کا اظہار کرے یا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے، مرتد کہلائے گا۔

منافق:۔جو شخص ظاہری طور پر اسلام کے تمام امور ادا کرتا ہے لیکن دل سے ان کا انکار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ

س: اللہ تعالیٰ کے بارے میں مسلمانوں کا کیا عقیدہ ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کی ذات وصفات وکمالات میں اس کا کوئی شریک نہیں، وہ واجب الوجود ہے، بے نیاز ہے، وہ ہمیشہ رہے گا۔ تمام جہانوں کو بنانے والا، پالنے والا ہے۔ سورج، چاند، ستارے سب اس کی مخلوق ہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں، وہ سب کا مالک ہے، وہ ہر کمال وخوبی کا جامع اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

ہم تمام اس کی مخلوق ہیں، وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، وہ حی وقیوم ہے۔ قدیر، سمیع علیم وبصیر ہے۔ تمام مخلوق کا رازق بھی ہے۔ وہ ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ عزت، ذلت، سب اس کے دست قدرت میں ہے، جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے، فقر وتنگدستی، فراخی اور فارغ البالی جس کو چاہے عطا کرے۔ وہ جو کرتا ہے عین حکمت ہے، اس کے انعامات واحسانات بیکراں ہیں۔

س: آیۃ الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ صفات کون کون سی ہیں؟

ج: اللہ (وہ ہے) کہ بغیر اس کے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے۔ جانتا ہے جو ان سے پہلے ہو چکا ہے اور جو ان کے بعد ہونے والا ہے اور وہ نہیں احاطہ کر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے۔ سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اور نہیں تھکاتی اسے زمین آسمان کی حفاظت، اور وہی ہے سب سے بلند، عظمت والا۔ (البقرہ:255)

س: سورۂ اخلاص میں ذکر کردہ صفات الٰہی بیان کریں؟

ج: ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے حبیب! فرما دیجیے: وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے (بے نیاز ہے)۔ نہ اس نے کسی کو جنا، نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہم سر ہے۔ (الاخلاص)

س: اچھے اور برے کام کی نسبت کس طرف کرنی چاہیے؟

ج: برے کام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اس لئے ارشاد الٰہی ہے: تجھے جو بھلائی پہنچے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری طرف سے ہے"۔ لہٰذا برا کام آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بہت بری بات ہے۔ اس لئے اچھے کام کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی طرف منسوب کرنا چاہئے اور برے کام کو شامت نفس سمجھنا چاہیے۔

س: توحید الٰہی پر قرآن کریم میں سے دلائل پیش کریں؟

ج: قرآن کریم میں بہت سی آیات طیبات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں: چند آیات بطور تبرک پیش کی جاتی ہیں:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:163)

(تمہارا معبود ایک معبود ہے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے، وہ بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے)۔

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النساء:۱۷۱)

(بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے)۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (الحشر:۲۲)

(اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں)۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الاخلاص:۱)

(اے حبیب! فرما دیجئے: وہ اللہ ہے یکتا)۔

س: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی کون سی صفات بندوں کے لئے بھی ذکر

کی گئی ہیں؟

ج: انسان کو سمیع بصیر کہا گیا ہے۔ (الدھر:2)

حضور ﷺ کو شہید کہا گیا ہے۔ (البقرہ:143)

آپ کو رؤف رحیم کہا گیا ہے۔ (التوبہ:128)

فرشتوں اور نیک لوگوں کا مددگار ہونا۔ (التحریم:4)

س: ان صفات کا بندوں کے لئے ماننے میں شرک کیوں نہیں ہوتا؟

ج: اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور بندوں کی صفات میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کسی کی عطا کردہ نہیں یعنی ذاتی ہیں اور ازلی، لامحدود ہیں۔ جبکہ مخلوق اور بندوں کی یہ صفات اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہوتی ہیں اور یہ صفات حادث، عارض، محدود ہوتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ان کو بندے سے واپس بھی لے سکتا ہے۔

س: کیا یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے خود ہی بنائی ہے، یا کوئی اور اس میں شریک ہے؟

ج: اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:۲۲)

(اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے)

وہ اکیلا تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے، بڑی قدرت والا ہے، کوئی ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔

س: اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور کون سی چیزیں قدیم ہیں؟

ج: جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم اور ازلی ہے اسی طرح اس کی صفات بھی ازلی اور قدیم ہیں۔

س: اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور صفاتی اسماء حسنیٰ کون سے ہیں اور کتنے ہیں؟

ج: اللہ کریم کا اسم ذاتی صرف "اللہ" ہے۔ اسی کو اسم اعظم کہتے ہیں۔
اس کے علاوہ جو نام اس کی صفات پر دلالت کریں ان کو اسماء صفاتی کہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء گرامی مذکور ہیں۔ جس نے ان کو یاد کیا وہ جنتی ہے۔

س: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے تو قرآن و حدیث میں جہاں ہاتھ، چہرہ وغیرہ الفاظ آئے ہیں ان کے کیا معانی ہیں؟

ج: ان کے بارے میں اس طرح کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دست قدرت سے پھینکا جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش الٰہی پر متمکن ہوا جیسے اس کی کبریائی کے لائق ہے وغیرہ۔

س:۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کتنی ہیں؟

ج:۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بہت سی صفات ہیں لیکن نو صفات ایسی ہیں جن میں دوسری صفات بھی آ جاتی ہیں ۔ حیات، قدرت، ارادہ مشیت، علم، سمع، بصر، کلام، تکوین و تخلیق اور رزاقیت۔

س:۔ صفات سلبیہ سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ صفات سلبیہ سے مراد وہ صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات مبرا اور پاک ہے۔ مثلاً وہ جاہل نہیں، بے اختیار و بے کس نہیں، کسی بات سے معذور نہیں، عاجز نہیں، اندھا، بہرا، گونگا، ظالم نہیں، زمانی، مکانی، حرکات سے پاک ہے، حاجات بشری سے محفوظ ہے، ہر قسم کے تغیر و تبدل سے پاک ہے۔

س:۔ کیا اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے؟

ج:۔ دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ ﷺ سے خاص ہے۔ آخرت میں ہر مسلمان کو دیدار الٰہی ہوگا۔ اہل جنت کی آنکھیں روشن ہوں گی۔ اس دن اس سے بڑھ کر اور کوئی عظیم نعمت نہ ہوگی۔

انبیاء کرام کے بارے میں عقیدہ

نبی کی تعریف

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے جن پاک بندوں کو منتخب کیا اور معجزات سے ان کی تائید کی ان کو نبی کہتے ہیں۔

س: عصمت انبیاء سے کیا مراد ہے؟

ج: تمام انبیائے کرام گناہوں اور غلطیوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کی حفاظت کا وعدہ ہے اس لئے ان سے گناہ کا صادر ہونا شرعاً ناممکن ہے۔

س: کیا انبیاء کے علاوہ کوئی اور بھی معصوم ہوتا ہے؟

ج: انبیاء کرام کے علاوہ فرشتے بھی معصوم ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کو اپنی خاص مہربانی اور توفیق سے گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔

س: کیا نبوت، عبادت و ریاضت سے حاصل کی جا سکتی ہے؟

ج: ہرگز نہیں، نبوت ایک نہایت ارفع مقام ہے جو محض اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جس شخص کو چن لے وہی اس کا اہل ہو جاتا ہے۔

س: کیا نبی کی اطاعت و اتباع فرض ہے؟

ج: جی ہاں! نبی کی اطاعت، اس کے احکامات کی تعمیل فرض عین ہے، انبیاء کرام تمام مخلوق سے افضل ہیں، ان کی ادنیٰ توہین و تنقیص کفر ہے۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس کا حکم دیا گیا ہے۔

س:۔ اطاعت رسول ﷺ کے بارے میں چند آیات بیان کیجئے:

ج:۔ (۱) نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول پاک ﷺ کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (النور:56)

(۲) اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرم ﷺ کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو۔ (محمد:32)

(۳) اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرم ﷺ کی۔ (التغابن:12)

(۴) اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اگر تم ایمان دار ہو۔ (الانفال:1)

(۵) اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کریم ﷺ کی اور محتاط رہو۔ (المائدہ:92)

س: کیا انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں؟

ج: انبیائے کرام اپنی قبروں میں حقیقی طور پر زندہ ہوتے ہیں جیسے دنیا میں تھے۔

ج: حیات انبیائے کرام پر قرآن سے دلائل پیش کریں؟

ج: (۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝ (البقرہ:154)

(نہ کہا کرو انہیں جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اسے سمجھ نہیں سکتے۔

(۲) دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۝ (آل عمران:169)

(ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس اور رزق دیئے جاتے ہیں)۔

س: ان آیات سے تو انبیائے کرام کی حیات پر کوئی دلیل نظر نہیں آتی؟

ج: مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جارہا ہے کہ وہ لوگ جنہوں

نے اپنی جانیں راہ خدا میں پیش کر دیں اور شہادت کا جام پی لیا ان کو مردہ نہ کہو اور تاکیدی حکم ہے کہ انہیں مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔

جب ایک عام امتی جو نہ بہت زیادہ عابد وزاہد ہے، نہ متقی و پرہیزگار، صرف وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کے لئے میدان جہاد میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا خصوصی حکم ہے کہ ان کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہے تو جس نبی مکرم ﷺ کا کلمہ پڑھ کر وہ اس مقام پر پہنچا وہ نبی بدرجہ اتم زندہ ہے اور علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے بھی لکھا ہے: تمام انبیاء کرام نبوت کے ساتھ وصف شہادت کے بھی جامع ہوتے ہیں۔ (رسالہ انباء الاذکیاء، المرقوم فی الحاوی للفتاویٰ، ج 2، ص 245)

س: انبیاء کرام قبروں میں زندہ ہیں، حدیث پاک سے ثابت کیجئے؟

ج: (۱) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا: مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود پاک پڑھا کرو: فَاِنَّهٗ يَوْمٌ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّىْ عَلَىَّ اِلَّا بَلَغَنِىْ صَوْتُهٗ حَيْثُ كَانَ۔

(جلاء الافہام، باب ماجاء فی الصلاۃ علی رسول اللہ ﷺ، حدیث ابی درداء، 107، ص 55)

(کیونکہ یہ وہ دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں جس بندے نے مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا اس کی آواز مجھے پہنچتی ہے جہاں کہیں وہ ہو)۔

صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ بعد وفاتك۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ! بَعْدَ وَفَاتِىْ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِىُّ اللّٰهِ حَىٌّ يُرْزَقُ۔

(ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ، الحدیث 1638، ج 2، ص 291)

(ہاں! میرے وصال کے بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے، اسے رزق دیا جاتا ہے)۔

(۲) اہل محبت کا درود شریف میں خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا بھی ہوں۔ (دلائل الخیرات)

(۳) جب کوئی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے (یعنی میری روح کی توجہ سلام بھیجنے والے کی طرف ہوتی ہے) یہاں تک کہ میں اس کو اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، الحدیث 2041، ج 2، ص 315)

(۴) شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں لکھتے ہیں:

پیغمبر خدا زندہ است بحقیقت حیات دنیوی۔

(اشعۃ اللمعات، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، الفصل الثالث، ج 1، ص 615)

یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ دنیوی زندگی کی حقیقت کے ساتھ زندہ ہیں۔

(۵) ابوداؤد شریف میں ہے: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ متبرک دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکی جائے گی، اسی دن لوگ بے ہوش ہوں گے، تو اس دن مجھ پر تم لوگ کثرت سے درود و سلام پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود و سلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ کا جسم اقدس تو قبر انور میں بوسیدہ ہو چکا ہوگا پھر ہمارا درود و سلام آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام کو کھائے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ، الحدیث 1047، ج 1، ص 391)

س: ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی چند خصوصیات ذکر کریں:

ج: (۱) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور کریم ﷺ کا نور پیدا فرمایا۔ پھر اس نور سے تمام کائنات کو پیدا فرمایا۔ اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ حضور ﷺ تمام جہانوں کی جان ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح انبیاء سے عہد لیا کہ اگر وہ حضور ﷺ کے زمانہ مبارک کو پائیں تو آپ ﷺ پر ضرور ایمان لائیں اور آپ کی ضرور امداد کریں۔

(۳) حضور ﷺ کی ولادت باسعادت پر بت اوندھے گر پڑے اور ایسا نور پھیلا کہ آپ کی والدہ صاحبہ نے ملک شام کے محلات کو دیکھ لیا۔

(۴) آپ کا سایہ نہ تھا۔ آپ نور ہیں، نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

(۵) آپ کے جسم سے اور پسینہ سے مشک و عنبر سے بڑھ کر خوشبو نکلتی۔ جس راستہ سے آپ گزرتے سارا راستہ مہک جاتا۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائیں۔ تمام جہانوں کو حضور ﷺ کے تصرف میں کر دیا، جسے جو چاہیں عطا فرمائیں، جس سے چاہیں واپس لیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ حضور ﷺ کا ذکر پاک بلند کیا جاتا ہے۔

(۸) قیامت کے دن قبر سے سب سے پہلے آپ ﷺ اٹھیں گے۔

(۹) قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کی اجازت سب سے پہلے آپ ﷺ کو مرحمت ہو گی۔

(۱۰) پل صراط سے سب سے پہلے حضور ﷺ اپنی امت کو لے کر گزریں گے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے دن مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

آپ ﷺ کو جسم اطہر کے ساتھ سفر معراج کا شرف نصیب ہوا۔

قرآن کریم میں سے حضور اقدس ﷺ کے کچھ خصائص ذکر کریں:

پورے کا پورا قرآن کریم حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور کمالات رفیعہ کے تذکرہ سے بھرا پڑا ہے۔ کوئی پارہ، کوئی سورت، کوئی ایسا صفحہ نہیں جس میں آپ ﷺ کے تذکار جمیل نہ ہوں۔ بطور اختصار چند کا ذکر بطور تبرک کیا جاتا ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء:107)

(نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لئے)۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (السبا:28)

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف مگر بشیر اور نذیر بنا کر)۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:3)

(آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام بطور دین)۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب)

(اے نبی مکرم! ہم نے بھیجا ہے آپ کو سب سچائیوں کا گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا، اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے، اور آفتاب روشن کرنے والا)۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال:17)

(اے محبوب!) نہیں پھینکی آپ نے وہ (مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (الکوثر:1)

(بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و بے حساب عطا کیا)۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:40)

(بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں)۔

س: احادیث طیبہ سے رسول اللہ ﷺ کی چند فرمودہ خصوصیات ذکر کریں؟

ج: (۱) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ (سنن الدارمی، باب ما اعطی النبی ﷺ من الفضل، الحدیث 49، ج 1، ص 40)

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(قیامت کے دن) میں تمام رسولوں کا قائد ہوں گا اور اس پر کوئی فخر نہیں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں گا اور میری شفاعت قبول کی جائے گی اور اس پر کوئی فخر نہیں ہے)۔

(۲) عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَخَطِیْبَھُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِھِمْ غَیْرَ فَخْرٍ۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند ابی بن کعب، الحدیث، 21303، ج8، ص51)

(حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے روایت کیا، آپ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا میں تمام نبیوں کا امام ہوں گا ان کا خطیب ہوں گا اور ان کے لئے شفاعت کرنے والا ہوں۔ اس پر کوئی فخر نہیں ہے)۔

(۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ۔ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ۔ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ وَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، الحدیث، 3635، ج5، ص354)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔ اس دن آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین شق ہوگی یعنی سب سے پہلے قبر سے اٹھوں گا، ان تمام باتوں پر کوئی فخر نہیں)۔

(۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ قَالَ وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، الحدیث، 3629، ج5، ص351)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ پر نبوت کب واجب ہوئی (آپ کو نبوت کب عطا کی گئی)؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے)۔

س: نبی کریم ﷺ کو دوسرے انبیاء پر کن باتوں میں فضیلت ہے؟

ج: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ، اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا، وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِیَ النَّبِيُّوْنَ۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، الحدیث، 5(523)، ص266)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے)۔

(۱) مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے یعنی الفاظ کم معانی زیادہ۔
(۲) رعب سے میری امداد کی گئی۔
(۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا۔
(۴) روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنا دیا گیا۔
(۵) مجھے تمام مخلوق کے لئے رسول بنایا گیا۔
(۶) اور مجھ پر نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فَاُكْسٰى حُلَّةً مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِیْ۔

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، الحدیث 3631، ج5، ص352)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:
(قیامت کے دن) مجھے جنت کے حلوں (جبوں) سے ایک جبہ پہنایا جائے گا پھر میں

عرش الٰہی کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا۔تمام مخلوق سے اس مقام پر میرے علاوہ کوئی کھڑا نہیں ہوگا)۔

س: نبی کریم ﷺ کے علم غیب کے بارے میں اہل سنت کا کیا عقیدہ ہے؟

ج: تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا اور اپنے حبیب مکرم ﷺ کو کائنات میں جو کچھ ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا ان سب کا علم عطا فرمایا۔یہ علم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ہم اس لئے اس کو علم غیب عطائی کہیں گے۔اللہ تعالیٰ کا اپنا علم ازخود اسے حاصل ہے اس لئے اس کو علم غیب ذاتی کہیں گے۔

س: علم غیب کے بارے میں قرآن کریم سے دلائل ذکر کریں؟

ج: (۱) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران:179)

(نہیں ہے اللہ کی شان کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر البتہ اللہ تعالیٰ (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے)۔

(۲) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

(اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے)۔(النساء:113)

(۳) تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ (ھود:49)

یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔

(۴) عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

(اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو۔(غیب کی تعلیم کے لئے)(الجن:27)

س: علم غیب کے بارے میں چند احادیث طیبہ ذکر کریں؟

ج:۔(۱) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَاَيْتُ رَبِّيْ

فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

(سنن الدارمی، باب رؤیۃ الرب تعالٰی فی النوم، الحدیث 2149، ج 2، ص 170)

(حضرت عبدالرحمٰن بن عائش سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے رب کریم کو نہایت حسین صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کس بات پر ملاء اعلیٰ (کے فرشتے) جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: تو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی اس کے بعد میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے)۔

(۲) عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ فِیْنَا النَّبِیُّ ﷺ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِیَهٗ مَنْ نَسِیَهٗ۔

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی قولہ، الخ، الحدیث 3192، ج 2، ص 375)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور ﷺ ہمارے درمیان ایک جگہ پر کھڑے ہوئے۔ پس ابتدائے خلق سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اپنے مقامات پر داخل ہونے تک کا ذکر فرمایا۔ اسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا وہ جو بھول گیا)۔

(۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ اَخْطَبَ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمًا الْفَجْرَ وَصَعِدَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ قَالَ اَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔ (رواہ مسلم)

(صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب اخبار النبی ﷺ، الخ، الحدیث 25 (2892) ص 1546)

(حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اس کے بعد منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے۔ ہمیں خطبہ ارشاد

فرمایا: یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آیا۔ آپ ﷺ منبر سے اترے نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے حتیٰ کہ عصر کا وقت آیا پھر آپ ﷺ اترے نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اس خطبہ میں ہمیں خبر دی ہر اس چیز کی جو قیامت تک ہونے والی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: ہم میں زیادہ عالم وہ ہے جس نے زیادہ یاد رکھا ہے)۔

س:۔ جن آیات میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے، ان کا کیا مطلب ہے؟

ج:۔ جن قرآنی آیات میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان سے مراد علم غیب ذاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو کوئی غیب کا علم نہیں ہے۔

شفاعت کے بارے عقیدہ

س:۔ نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے بارے اہل سنت کا کیا عقیدہ ہے؟

حضور اقدس ﷺ محشر کے دن شفاعت فرمائیں گے۔ آپ ﷺ کی شفاعت سے اہل محشر کو حساب کتاب کے انتظار سے نجات ملے گی۔ بہت سے لوگ بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ کئی لوگوں کے درجات بلند ہوں گے بہت سے لوگ جہنم میں جانے سے بچ جائیں گے بہت سے جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ آپ کے بعد انبیاء کرام، پھر اولیاء عظام۔ علماء حفاظ وغیرہ اپنے متعلقین کی شفاعت کریں گے۔

(ماخوذ از بہار شریعت، ج 1، حصہ اول، ص 139، مکتبۃ المدینۃ کراچی)

س:۔ شفاعت کے بارے میں آیات قرآنی ذکر فرمائیں؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (الاسراء:79)

(یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر)۔

(۲) لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم:87)

(انہیں کوئی اختیار نہیں ہوگا شفاعت کا بجز ان کے جنہوں نے خداوند رحمن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے)۔

س:۔شفاعت کے بارے چند احادیث طیبہ بیان فرمائیں۔

ج:۔(۱) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ ۔(رواہ الترمذی)

(سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی الشفاعۃ، الحدیث 2443، ج 4، ص 198)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری شفاعت میری امت سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی)۔

(۲) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ أَوْ نَفْسِهٖ ۔

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، الحدیث 99، ج 1، ص 53)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت کے لئے تمام لوگوں سے وہ سعادت مند ہوگا جس نے لا الٰہ الا اللہ خلوص قلب سے پڑھا)۔

(۳) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِهٖ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِهَا ۔ (کنز العمال، کتاب القیامۃ، الشفاعۃ، الحدیث 39053، ج 14، ص 171)

(حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لایا وہ اس شفاعت کا حقدار نہ ہوگا)۔

کیا حضور اقدس ﷺ کے خدام بھی شفاعت کریں گے؟

جی ہاں! حضور اقدس ﷺ کے خدام شفاعت کریں گے حضور ﷺ کی حدیث پاک ملاحظہ ہو:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيَدْخُلَنَّ بِشَفَاعَةِ عُثْمَانَ سَبْعُوْنَ أَلْفًا كُلُّهُمْ

اِسْتَوْجَبُوْا النَّارَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (ترمذی شریف)

(حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت عثمان کی شفاعت سے ستر ہزار وہ لوگ جنت میں ضرور داخل ہوں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی اور ان سے کوئی حساب نہ ہوگا)۔

يُنَادٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَيْنَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ فَيُؤْتٰى بِالْخُلَفَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُم فَيَقُوْلُ اللهِ تَعَالٰى لَهُمْ اُدْخِلُوْا مَنْ شِئْتُمِ الْجَنَّةَ وَدَعُوْا مَنْ شِئْتُمْ۔ (احادیث غرر ابوبکر الشافعی)

(قیامت کے دن ندا دی جائے گی حضور محمد مصطفی ﷺ کے صحابہ کہاں ہیں؟ چنانچہ آپ کے خلفاء کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں حکم فرمائے گا جن کو تم چاہو جنت میں داخل کرلو اور جن کو چاہو چھوڑ دو)۔

س:۔کیا حساب کے بغیر بھی مسلمان جنت میں داخل ہوں گے کوئی حدیث پاک تحریر کریں؟

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پروردگار نے مجھے میری امت سے ستر ہزار ایسے آدمی عطا فرمائے جو جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ اس سے زیادہ کے متعلق سوال کرتے رؤف ورحیم آقا ﷺ نے فرمایا: اے عمر! میں نے زیادہ کے لئے درخواست کی اور مجھے میرے رب نے اس قدر عطا فرمایا اس قدر کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کھول دیا اور اپنے دونوں بازوؤں کو کشادہ کیا اور کلاوہ بھرا۔ ہشام کہتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس نے اپنے محبوب ﷺ کو دیا۔ اور اس کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الحدیث 1706، ج 1، ص 419)

(۲) عمرو بن حزم الانصاری سے مروی ہے کہ تین دن تک رسول کریم ﷺ کا معمول رہا کہ صرف پنجگانہ نماز کے لئے تشریف لاتے اور پھر خلوت نشین ہو جاتے۔ چوتھے دن

حضور ﷺ حسب معمول تشریف لائے۔ہم نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! حضور تین دن تک ہم سے الگ تھلگ رہے یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا کوئی حادثہ وقوع پذیر ہوگیا ہے آقا ومولا ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے میرے صحابہ! فکر واندیشہ کی کوئی بات نہیں۔ بڑا دل خوش کن واقع ہوا ہے۔میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار آدمی کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔میں اپنے رب سے تین دن تک اس تعداد میں اضافہ کی التجا کرتا رہا۔پس میں نے اپنے پروردگار کو بڑا عظیم اور کریم پایا اور اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار کے علاوہ ان میں سے ہر ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی، سورۃ مریم، تحت آیۃ 86، الجزء السادس عشر، ص 601)

حاضر و ناظر کے بارے عقیدہ

س:۔حاضر وناظر کے بارے میں اہل سنت کا کیا عقیدہ ہے؟

ج:۔اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح انسانی جسم کے اندر روح ہر جزو میں موجود ہوتی ہے۔اسی طرح حضور ﷺ کی روح کی حقیقت کائنات کے ہر ذرے میں جاری وساری ہے جس کی بناء پر حضور کریم ﷺ روضہ اقدس سے تمام کائنات کو اپنی ہتھیلی کی طرح ملاحظہ فرماتے ہیں دور ونزدیک کی آوازیں یکساں سنتے ہیں اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہو سکتے ہیں۔

(ماخوذ از کنز العمال، کتاب الفضائل، فضائل نبینا محمد ﷺ، الحدیث 31968، ج 11، ص 189)

س:۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ''شاھدا'' کے لقب سے ذکر کیا ہے، اس کا کیا معنیٰ ہے؟

شاہد کا معنیٰ حاضر وناظر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شاہد کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کے افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

یارب تو کریمی و رسول تو کریم		صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

(ضیاء القرآن، ج 4، ص 837، سورہ الفتح آیت 8)

س:۔ اس عقیدہ کو قرآنی آیات سے ثابت کریں؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:6)

(نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں)۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (احزاب:45)

(اے نبی مکرم! ہم نے بھیجا ہے آپ کو سب سچائیوں کا گواہ بنا کر)۔

آیت طیبہ میں مذکور شاھدا کے لفظ کی تھوڑی سی تشریح کریں۔

شاہد کا معنی ہے گواہ اور گواہ کے لئے ضروری ہے جس واقعہ کی وہ گواہی دے رہا ہے وہ وہاں موجود بھی ہو اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بھی۔

اس کی تشریح درج ذیل حدیث پاک سے ہوتی ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح و شام حضور ﷺ کی امت حضور ﷺ کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور حضور ہر فرد کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں اس لئے حضور ﷺ ان پر گواہی دیں گے۔

(تفسیر مظہری مترجم، تحت آیۃ 45 سورہ احزاب، ج 7 ص 500 (مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز))

(۲) حضور ﷺ گواہی دیں گے اپنی امت پر کیونکہ حضور ﷺ ان کے احوال کو دیکھ رہے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور روز قیامت ان کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

(تفسیر روح المعانی، تحت آیۃ 45، سورہ احزاب، ج 21، ص 304 (داراحیاء التراث العربی بیروت))

وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا (البقرہ:143) میں شہیدا کا کیا معنی ہے؟

اس کی جو تفسیر شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اس کا ترجمہ وضاحت کے

لئے کافی ہے۔ پس تمہارا رسول تم پر گواہی دے گا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ وہ کون سا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے پس وہ تمہارے گناہوں کو پہچانتے ہیں تمہارے ایمان کے درجوں کو۔ تمہارے نیک اعمال اور بد اعمال کو اور تمہارے اخلاص اور ایمان کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

س:۔ عقیدہ حاضر و ناظر پر چند احادیث طیبہ بیان کریں

ج:۔ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو ظاہر کیا۔ پس میں دنیا کو اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کچھ اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (کنز العمال، کتاب الفضائل، فضائل نبینا محمد ﷺ، الحدیث 31968، ج 11، ص 189)

(۲) بیشک میں تمہارا پیشرو ہوں اور تم پر گواہ ہوں اور خدا کی قسم! میں اپنے حوض کوثر کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، الحدیث 6590، ج 4، ص 270)

(۳) خدا کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ خشوع (جو کہ دل کی کیفیت ہے) اور بے شک میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب عظۃ الامام الناس الخ، الحدیث 418، ج 1، ص 161)

س:۔ عقیدہ حاضر و ناظر کے بارے میں محدثین کے اقوال ذکر کریں۔

ج:۔ (۱) امام قسطلانی فرماتے ہیں: حضور ﷺ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں ان کی حالتوں، نیتوں اور ارادوں اور دل کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ (مواہب اللدنیہ)

(۲) امام سیوطی فرماتے ہیں:

حضور ﷺ ہماری آنکھوں سے اس طرح پوشیدہ ہیں جیسے فرشتے اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ (الحاوی للفتاوی، کتاب البعث،

انباء الأذکیا الخ، ج 2، ص180)

(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

حضور ﷺ اپنی امت کے احوال پر حاضر وناظر ہیں۔

(مدارج النبوۃ، باب ہفتم در اسماء شریف، ج 1، ص260)

ختم نبوت کے بارے عقیدہ

س:۔ حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین ہیں، قرآن کریم کی کس آیت میں اس کا ذکر ہے؟

ج:۔ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۰ میں مذکور ہے۔ آیت طیبہ یوں ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۝

(نہیں ہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)

س:۔ حضور ﷺ کی ختم نبوت کے بارے میں اہلسنّت کا کیا عقیدہ ہے؟

ج:۔ ہمارے آقا و مولا حضور سرور دو عالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا اور جو شخص اپنے نبی ہونے کا دعوی کرتا ہے اور جو بد بخت اس کے اس دعوی کو سچا تسلیم کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے اور اسی سزا کا مستحق ہے جو اسلام نے مرتد کے لئے مقرر فرمائی۔ (تفسیر ضیاء القرآن، الاحزاب، تحت آیۃ 40، ج 4، ص68)

س:۔ خاتم النبیین کا لفظ حدیث کی کس کس کتاب میں مذکور ہے؟

ج:۔ (۱) حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر

ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑی ہوئی ہے لوگ اس عمارت کے اردگرد پھرتے اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ اس جگہ کیوں اینٹ نہ رکھی گئی تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین ﷺ، الحدیث، 3534، ج 2، ص 484)

(۲) حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ (۱) مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا۔ یعنی الفاظ مختصر اور معانی کا بحر بے پیدا کنار۔ (۲) رعب کے ذریعہ میری مدد فرمائی گئی۔

(۳) میرے لئے غنیمت کا مال حلال کیا گیا۔ (۴) میرے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی۔

(۵) مجھے تمام مخلوق کے لئے رسول بنایا گیا۔ (۶) میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، الحدیث (5-523) ص 266)

(۳) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

(جمع الجوامع، قسم الاول، حرف الھمزۃ، الحدیث، 5082، ج 2، ص 211 (دار الکتب العلمیہ بیروت))

(۴) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال کے خروج سے نہ ڈرایا ہو اب میں آخری نبی ہوں۔ اور تم آخری امت ہو۔ وہ ضرور تمہارے اندر ہی نکلے گا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنۃ الدجال الخ، الحدیث، 4077، ج 4، ص 404)

(۵) حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد کسی کا نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمر بن خطاب نبی ہوتے۔

(جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب ابی حفص عمر ابن الخطاب، الحدیث، 3706، ج 5، ص 385)

(۶) حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں

تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعوی کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلها، الحدیث 4252، ج4، ص133)

ج:۔ختم نبوت کے بارے میں مقتدر علمائے تفسیر کا عقیدہ کیا ہے۔

س:۔(۱) علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر کیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح قرآن وسنت نے کی ہے۔ جس پر امت کا اجماع ہے۔ پس جو شخص نبوت کا دعوی کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور اس دعوی پر اصرار کرتا رہا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

(تفسیر روح المعانی، تحت آیۃ 40، سورۃ احزاب، ج21، ص300)

(۲) علامہ ابن حیان الاندلسی اپنی تفسیر بحر محیط میں لکھتے ہیں:

جس شخص کا یہ نظریہ ہو کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور اسے اب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے یا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے وہ زندیق ہے اور واجب القتل ہے۔ آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعوی کیا مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا۔

(تفسیر البحر المحیط، تحت آیۃ 40، سورۃ احزاب، ج7، ص229 (دار الکتب العلمیہ بیروت))

وسیلے کے بارے عقیدہ

س: وسیلہ جائز ہے اس کے بارے میں قرآن کریم سے دلائل ذکر کریں۔

ج:۔(۱) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (المائدہ:35)

(اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ)۔

(۲) وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (البقرہ:89)

(اور وہ اس سے پہلے فتح مانگا کرتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے)

س:۔صحابہ کرام مشکل وقت میں حضور ﷺ کا وسیلہ اختیار کرتے

تھے۔ چند احادیث بیان کریں۔

ج:۔(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے لئے حضور ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے دعا کی۔(صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الخ، الحدیث، 1010 ج 1، ص 346)

(۲) ایک صحابی نے حضور ﷺ سے چادر مانگی تا کہ وہ ان کا کفن بنے اس وسیلہ سے اس کی بخشش ہو سکے۔(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن الخ، الحدیث، 1277 ج 1، ص 431)

(۳) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا جبہ مبارک دھو کر مریضوں کو پلاتی تھیں تو وہ شفا پاتے تھے۔

(صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال اناء الخ، الحدیث (10-2069) ص 1148)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمانے پر صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے روضہ اقدس کے وسیلہ سے بارش مانگی۔(سنن الدارمی، باب ما اکرم اللہ الخ، الحدیث، 92 ج 1، ص 56)

س:۔ کسی مقرب بندے سے نسبت والی جگہ یا چیز کو وسیلہ بنانے پر قرآن کریم سے حوالہ دیں؟

ج:۔(۱) حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے محراب میں اولاد کے لئے دعا کی تو فوراً منظور ہوئی۔(آل عمران:38)

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص مبارک سے ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو بینائی حاصل ہوئی۔(یوسف:92)

(۳) انبیاء کے تبرکات والے تابوت کے وسیلہ سے بنی اسرائیل کی مشکلات حل ہوتی ہیں۔(البقرہ:284)

نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے عقیدہ

س:۔ نبی کریم ﷺ کے خاندان کی فضیلت و برتری بیان کریں۔

ج:۔ حضور نبی کریم ﷺ خاندان قریش کے چشم و چراغ تھے۔ یہ خاندان ہمیشہ سے

عرب کے تمام خاندانوں میں سے معزز و ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ عرب کے تمام قبیلے اور خاندان اس خاندان کو اپنا سردار مانتے تھے۔ اس خاندان کی ایک شاخ بنو ہاشم تھی جو تمام شاخوں سے زیادہ معزز و محترم تھی۔

حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو برگزیدہ کیا۔ کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی الخ، الحدیث (1-2276) ص1249)

س:۔ آپ ﷺ کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کا نام کیا تھا اور ان کا وصال کب ہوا؟

ج:۔ آپ کے والد گرامی کا اسم گرامی عبداللہ اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تھا۔ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت سے دو ماہ قبل آپ ﷺ کے والد گرامی کا مدینہ طیبہ میں انتقال ہوگیا۔ (جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا) جب حضور ﷺ کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو والدہ ماجدہ آپ کو ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئیں۔ وہاں سے واپسی پر ابواء کے مقام پر آپ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت حضرت ام ایمن جو آپ کی کنیز تھیں وہ بھی ساتھ تھیں ان کا تعلق حبشہ سے تھا۔ یہ حضور ﷺ کو ورثہ میں ملی تھیں اور ابواء کے مقام پر ہی آپ کی والدہ ماجدہ کو دفن کیا گیا۔

س:۔ ابواء کے مقدس مقام کا حدود اربعہ بیان کریں؟

ج:۔ یہ مقام مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے قدیم شاہراہ جو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتی تھی۔ اس پر ایک گاؤں ''مستور'' کے نام سے آتا ہے۔ جہاں ہوٹل اور قہوہ خانے ہیں مسافروں کی بسیں اور کاریں یہاں رکتی ہیں یہاں سے دائیں طرف چند میل کے فاصلہ پر ابواء کی بستی آباد ہے۔ بستی کے باہر ایک اونچا ٹیلہ ہے۔ اردگرد جھاڑیاں اور کیکر کے درخت آگے ہوئے ہیں اس ٹیلہ کے اوپر سیدہ آمنہ کا مزار مبارک ہے۔

(ضیاء النبی، ج2، ص95)

س:۔ والدہ کے وصال کے بعد حضور اقدس ﷺ کی پرورش کس نے کی؟

ج:۔ والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد حضور ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی پرورش میں رہے۔ جب آپ ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال ہوئی تو آپ کے دادا بھی انتقال کر گئے۔ آپ ﷺ کے دادا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ اپنے چچا کی کفالت میں رہے۔

س:۔ کیا حضور ﷺ کے والدین کریمین صاحب ایمان تھے؟

ج:۔ جی ہاں! اہلسنت والجماعت کے علماء محققین کے جم غفیر کی اس مسئلہ میں رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کریمین نجات یافتہ ہیں اور جنت کی بہاروں میں ہیں۔

(شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیہ، ذکر وفاۃ أمہ وما یتعلق بابویہ ﷺ، ج 1، ص 317)

س:۔ علماء محققین میں سے کسی عالم کی رائے بیان کریں؟

ج:۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے: "بے شک انبیاء کرام کے آباء واجداد کافر نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے میری ذات وہ ہے جو آپ کو دیکھتی ہے۔ (فانك باعيننا) اور جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ سجدہ کرنے والوں کی پیشانیوں میں منتقل ہوتے۔ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء)

اس کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نور ایک سجدہ کرنے والے کی پیشانی سے دوسرے سجدہ کرنے والی پیشانیوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ کے جملہ آباء واجداد مسلمان تھے۔ (التفسیر الکبیر، تحت آیۃ 219-218، سورۃ الشعراء، ج 8، ص 536)

س:۔ اس عقیدہ کو حدیث طیبہ سے واضح کریں۔

ج:۔ (۱) احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے آباء واجداد حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک اپنے ہم عصروں سے افضل اور بہتر تھے ان کے ہم عصروں میں کوئی ان سے افضل وارفع مقام کا حامل نہ تھا۔

(سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل النبی ﷺ، الحدیث 3628،3627، ج 5، ص 351)

(۲) حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاکیزہ

رحموں میں منتقل فرماتا رہا۔ ہر آلائش سے پاک کر کے اور ہر آلودگی سے صاف کر کے جہاں کہیں سے دو شاخیں نکلیں وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شاخ میں منتقل کیا جو ان دونوں سے بہتر تھی۔ (ضیاء النبی، ج2،ص82)

(۳) طبرانی نے اوسط میں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے۔

آپ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول سرور عالمیان ﷺ نے فرمایا: مجھے جبرائیل امین نے فرمایا کہ میں نے زمین کے مشارق اور مغارب کو کھنگالا۔ پس میں نے کسی مرد کو اے جان جاناں! آپ سے افضل نہیں پایا اور کسی خاندان کو بنی ہاشم کے خاندان سے افضل نہیں پایا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ذکر شرف اصل رسول اللہ الخ، ج1،ص176)

س:۔ بعض بد بخت اور گستاخ لوگ احادیث پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی مذموم کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ کے والدین کریمین مشرک اور معذب ہیں۔ (ثم نعوذ باللہ)

ج:۔ جن احادیث میں حضور ﷺ کے والدین کریمین کے مشرک اور معذب ہونے کا ذکر ہے۔ وہ تمام روایات ضعیف ہیں۔

س:۔ آپ کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں کسی اور محقق کی رائے؟

ج:۔ حضرات حفاظ محدثین میں مقتدر ہستیاں ایسی ہیں جن میں ابن شاہین، حافظ ابو بکر الخطیب البغدادی، ابو القاسم السہیلی، ابو عبد اللہ القرطبی محب طبری، وغیرہم کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا۔ وہ حضور ﷺ پر ایمان لائے۔

(ضیاء النبی ﷺ، ج2،ص87، ومسالک الحنفاء، ص56)

(۲) عصر حاضر کے ایک مایہ ناز محقق شیخ محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے وہ فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خبر جس میں حضور ﷺ کے والد کے بارے میں کہا گیا

ہے معنی کے لحاظ سے بھی غریب ہے جس طرح سند کے لحاظ سے غریب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔ (ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں یہاں تک ہم رسول بھیجیں)

حضور ﷺ کے والدین کریمین نے فترۃ کا زمانہ پایا تو انہیں کیونکر عذاب دیا جاسکتا ہے)

نیز یہ باب دینی حقائق کے بھی سراسر خلاف ہے ۔ حضور ﷺ کے والد ماجد تو حضور ﷺ کی پیدائش سے قبل وفات پاگئے ۔ والدہ ماجدہ نے جب وفات پائی تو حضور ابھی بالکل چھوٹے تھے اور رسول مبعوث ہوئے نہیں تھے ۔ اس لئے وہ خبر جس میں ان کے بارے میں ہے کہ نعوذ باللہ دونوں آگ میں ہیں ۔ مردود ہے ایک اس وجہ سے اسکی سند میں غرابت ہے اور دوسرا اس وجہ سے کہ اس کا معنی حقیقت سے بہت دور ہے ۔

اس کے بعد علامہ شیخ ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذاتی اور قلبی کیفیت کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

جب میں تصور کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ اور حضرت سیدہ آمنہ نار میں ہیں ۔ تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص میرے کان اور میرے فہم پر ہتھوڑے مارتا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ نوجوان تھے جن کا شعار تھا وہ اپنے باپ کی نذر کے مطابق ذبح ہونے پر راضی ہو گئے اور اپنی رضامندی سے آگے بڑھ کر اپنے سر کا نذرانہ پیش کر دیا ۔

اور جب قریش نے سو اونٹ بطور فدیہ دینے کو کہا تو اس پر بھی بخوشی رضامند ہو گئے وہ عبداللہ جو اپنے بے پایاں حسن وشباب کے باوجود لہو ولعب سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور جب ایک دوشیزہ نے دعوت گناہ دی تو جھٹ سے اسے جواب دیا ۔ أما الحرام فالممات دونه ۔ (تم مجھے حرام کام کے ارتکاب کی دعوت دیتی ہو اس سے تو مر جانا بہتر ہے)

ایسے پاکباز اور صدق شعار نوجوان کو آخر کیوں دوزخ میں پھینکا جائے گا حالانکہ اسے کسی نبی نے دعوت بھی نہیں دی ۔

آپ پھر لکھتے ہیں: رہی حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ تو وہ خاتون جس کو شادی کے فورا بعد اپنے شوہر کی اچانک موت کا صدمہ پہنچا تو اس نے صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیا اپنے بچے کو یتیم و نادار پایا تو بھی جزع فزع نہیں کی بلکہ صبر کو اپنا شعار بنایا۔ کیا کوئی شخص تصور کر سکتا ہے کہ ایسی حور شمائل خاتون کو دوزخ میں جھونک دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی اسے ہدایت دینے کے لئے نہیں آیا اور نہ اسے کسی نے توحید الٰہی کی دعوت دی۔

آخر میں شیخ محقق محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ہماری ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضور ﷺ کے والدین کریمین نے وہ زمانہ پایا جس میں رسولوں کی آمد منقطع تھی اور وہ دونوں ہدایت اور اخلاق کریمہ کے بالکل قریب تھے جو بعد میں ان کے لخت جگر نے بطور شریعت دنیا میں پیش کی۔

(۳) مسلک مالکیہ کے ایک جلیل القدر عالم قاضی ابوبکر ابن عربی کا فتوی بھی ملاحظہ ہو جس سے مزید وضاحت ہوگی۔

قاضی ابوبکر ابن عربی سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو حضور ﷺ کے آباءواجداد کے بارے میں کہتا ہے کہ (نعوذ باللہ) وہ فی النار ہیں؟

آپ نے فرمایا: جو شخص یہ کہتا ہے وہ ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

جو لوگ اذیت پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، لعنت بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں اور آخرت میں۔

پھر کہا: اس سے بڑی اذیت اور کیا ہے کہ حضور ﷺ کے بارے میں یوں کہا جائے۔

فرشتوں کے بارے عقیدہ

س:۔ فرشتے کیسی مخلوق ہیں؟

ج:۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ایماندار اور مکرم (عزت والے) عبادت گزار مخلوق ہیں جن کے جسم نورانی ہیں۔ ہر قسم کے گناہ سے معصوم ہیں نہ کچھ کھاتے نہ پیتے ہیں۔ ہر وقت

اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور یہی ان کی غذا ہے۔

س:۔ فرشتوں کو معصوم کیوں کہا جاتا ہے؟

ج:۔ کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ نے برائی اور گناہ کی قوت ہی نہیں رکھی ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (التحریم:6)

(نافرمانی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فورا بجالاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے)۔

س:۔ فرشتے کیا کرتے ہیں؟ کیا فرشتوں کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں؟

ج:۔ ان کو مختلف قسم کی خدمات سپرد ہیں اور علیحدہ علیحدہ کاموں پر متعین ہیں۔

بعض فرشتوں کے ذمہ حضرات انبیاء کرام کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے، کسی کے ذمہ پانی برسانا، روزی پہنچانا، ماں کے پیٹ میں بچہ کی شکل بنانا ہے، کسی کی ڈیوٹی ہوا چلانا، کسی کے ذمہ انسانوں کے اعمال خیر و شر لکھنا۔

بعض فرشتوں کے ذمہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ کی حاضری ہے جو حضور ﷺ کی خدمت میں حضور کے غلاموں کے درود و سلام کے ہدیے پیش کرتے ہیں۔ ستر ہزار فرشتے صبح بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوتے ہیں سارا دن حضور ﷺ کی خدمت میں صلوۃ وسلام عرض کرتے ہیں۔ وہ شام کو واپس چلے جاتے ہیں ستر ہزار نئے فرشتے شام کو حاضر ہوتے ہیں وہ ساری رات حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں۔

(سنن الدارمی، باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ الخ، الحدیث ،94، ج1، ص57)

س:۔ فرشتوں کی کتنی تعداد ہے؟

ج:۔ فرشتے بے حد و بے شمار ہے ان کی تعداد وہی جانے جس نے ان کو پیدا کیا یا اس کے پیارے رسول مکرم ﷺ کو معلوم ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر:31)

(کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر کو سوائے اس کی ذات کے۔)

س:۔ مشہور و مقرب فرشتوں کے نام اور ان کی ذمہ داریاں بیان کریں؟

ج:۔(۱) حضرت جبرائیل علیہ السلام:۔ ان کے ذمہ انبیاء کرام کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی پیغامات پہنچانا۔

(۲) حضرت میکائیل علیہ السلام:۔ پانی برسانا اور اللہ کی مخلوق کو روزی پہنچانا۔

(۳) حضرت اسرافیل علیہ السلام:۔ ان کے ذمہ صور پھونکنا ہے۔

(۴) حضرت عزرائیل علیہ السلام:۔ لوگوں کی روحوں کو قبض کرنے کی ذمہ داری ان کے ذمہ ہے۔

الہامی کتب کے بارے عقیدہ

س:۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتب اور صحائف اتارے؟

ج:۔ اللہ تعالیٰ نے چار کتب اور سو صحیفے اتارے۔

سوال:۔ کون سے انبیاء پر صحائف نازل ہوئے؟

ج:۔ حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفے، حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس، حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل فرمائے۔

س:۔ کن انبیاء پر کون سی کتب نازل ہوئیں؟

ج:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات، حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی گئی اور ہمارے آقا و مولا احمد مصطفیٰ ﷺ پر قرآن کریم نازل کیا گیا۔

س:۔ ان کتابوں میں سے افضل کتاب کون سی ہے؟

ج:۔ ان تمام کتب سے قرآن کریم سب سے افضل کتاب ہے۔

س:۔ جب تمام کتب کلام الٰہی ہیں تو پھر قرآن کریم کا سب سے افضل

ہونا کس طرح ثابت ہوا؟

ج:۔ بے شک کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے تمام کتب برابر ہیں۔ مگر فصاحت و بلاغت اور جامعیت کی حیثیت سے قرآن کریم افضل و اکمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے وقت عرب میں بڑے بڑے فصحاء و بلغاء قادر الکلام شاعر موجود تھے۔ جو فن سخن میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام معجز نظام کو ایسی فصیح و بلیغ عبارات سے آراستہ کر کے نازل کیا جس کے مقابلہ میں ایک آیت بنانے کے لئے بھی تمام بلغاء عرب عاجز آ گئے اسی لئے تمام فصحاء بلغاء عرب کو اللہ تعالیٰ چیلنج دیتا ہے کہ:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ (البقرہ:23)

(اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے برگزیدہ بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلا لاؤ اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا۔ اگر تم سچے ہو)۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے اور حضور ﷺ کو منصب رسالت پر فائز فرمایا گیا۔

نیز اس میں افضلیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ سابقہ جتنی کتب نازل کی گئیں ان کے محافظ ان کے انبیاء کرام اور ان کے متبعین بنائے گئے لیکن قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود رب کریم نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہے اور فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ (الحجر:9)

(ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں)۔

اور یہی وجہ ہے قرآن کریم میں اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ذرا برابر بھی تحریف یا تبدیلی نہیں ہو سکی۔

س:۔ قرآن کریم کس طرح نازل ہوا؟

ج:۔ قرآن کریم کی آیات جبرائیل امین علیہ السلام لے کر حاضر ہوتے حضور نبی

کریم ﷺ کے سامنے اس کو پڑھتے۔ حضور ﷺ ان کو یاد کر لیتے۔ پھر آپ ﷺ صحابہ کرام کو سناتے انہیں لکھواتے۔ بعض صحابہ کرام ان کو یاد کرلیا کرتے۔ ان میں سے حضرات معاذ بن جبل، ابوالدرداء، ابی بن کعب مشہور حفاظ کرام میں سے ہیں۔

س:۔ قرآن کریم کی پہلی آیات کہاں نازل ہوئیں؟

ج:۔ مکہ معظمہ کے قریب ایک پہاڑ ہے اس پہاڑ کی غار میں حضور ﷺ عبادت و یاد الٰہی کے لئے تشریف لے جاتے۔ اس کی ایک غار جس کا نام ''غار حراء'' ہے میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔

س:۔ سب سے پہلی کون سی آیات نازل ہوئیں؟

ج:۔ سب سے پہلے سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾

(آپ پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا)۔ (العلق:5-1)

س:۔ مکی اور مدنی سورتوں کا کیا مطلب ہے؟

ج:۔ ہجرت سے پہلے جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں اور ہجرت کے بعد جو آیات نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں۔

س:۔ مکی اور مدنی سورتوں میں احکام کے لحاظ سے کچھ فرق ہے تو بتائیں؟

ج:۔ مختصراً آپ یوں سمجھیں کہ مکی سورتوں میں عقائد وغیرہ یعنی توحید و رسالت وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ اور مدنی سورتوں میں اعمال کا ذکر ہے۔ یعنی وہ احکام جن سے اخلاق درست ہوں۔ مخلوق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے قواعد وغیرہ مذکور ہیں۔

س:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتب کون سی زبانوں میں

نازل ہوئیں؟

ج:۔ تورات، زبور، عبرانی زبان میں، انجیل سریانی زبان میں اور قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔

موت اور قبر کے بارے عقیدہ

س:۔ آخرت پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟

ج:۔ ہمیں یہ یقین ہونا چاہئے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب تمام مردوں کو زندہ کر کے جمع کیا جائے گا ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ نیکوں کو جزاء اور بروں کو سزا ملے گی اس دن کو قیامت یا یوم آخرت کہتے ہیں۔

س:۔ قبر سے کیا مراد ہے؟

ج:۔ دنیا میں جب انسان اپنی فانی زندگی کی مقررہ میعاد پوری کر لے اور عزرائیل علیہ السلام اس کی روح کو قبض کر لیں تو سب سے پہلے مقام کو جہاں انسان کو دفن کیا جاتا ہے اس کو قبر کہتے ہیں۔

س:۔ قبر میں انسان سے کیا سوال کیے جاتے ہیں اور ان کا کیا جواب ہے؟

ج:۔ قبر میں انسان سے منکر نکیر فرشتے تین سوال کریں گے۔

پہلا سوال: مَنْ رَّبُّكَ؟ تیرا رب کون ہے؟

اس کا جواب: میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

دوسرا سوال: مَادِيْنُكَ؟ تیرا دین کیا ہے؟

اس کا جواب ہے: میرا دین اسلام ہے۔

تیسرا سوال: (حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے فرشتے پوچھتے ہیں کہ ان کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ میرے آقا و مولا نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

س:۔ کیا قبر میں ثواب وعذاب برحق ہے؟

جواب:۔ جی ہاں! قبر میں نعمتیں یا عذاب ملنا بالکل حق اور درست ہے اور یہ روح اور جسم دونوں کے لئے ہوگا۔ اگر انسان کا جسم جل جائے مٹی ہوجائے تب بھی اس کے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہتے ہیں۔

(ماخوذ از شرح العقائد النسفیہ، مبحث عذاب القبر، ص 102 و بہار شریعت، جلد اول، حصہ اول، ص،32 (مطبوعہ ضیاء القرآن نیوایڈیشن))

س:۔ قبر میں میت جب صحیح جواب دے تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟

ج:۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک آواز دینے والا آسمان کی طرف سے ندا کرتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ اس کے لئے جنت کا فرش بچھاؤ، اس کو جنت کے کپڑے پہناؤ، جنت کی طرف سے اس کے لئے دروازہ کھولو، پس جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ وہاں خوشبوئیں اور ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے قبر کشادہ ہو جاتی ہے۔ (ماخوذ از مسند احمد بن حنبل، مسند حدیث البراء بن عازب، الحدیث ،18559 ج ،6 ص413)

س:۔ اگر میت صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟

ج:۔ جب کافر مردہ ان سوالات کے صحیح جوابات نہ دے سکے گا تو اس وقت آسمان سے ندا آئے گی۔ یہ جھوٹا ہے اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ۔ آگ کا لباس پہناؤ، دوزخ کی طرف دروازہ کھول دو۔ وہ دوزخ کی گرمی اور سختی میں آجاتا ہے۔ پھر اس پر فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں جو لوہے کے بڑے بڑے گرزوں سے اسے مارتے رہتے ہیں۔

س:۔ کیا قبر ہر میت کو دباتی ہے؟

ج۔ انبیاء کرام علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے سوا سب مسلمانوں اور کافروں کو قبر دباتی ہے لیکن مسلمانوں کو شفقت سے دباتی ہے جیسے ماں اپنے بچے کو سینے سے لگاتی ہے اور کافروں کو سختی سے دباتی ہے۔ یہاں تک کہ پسلیاں ادھر سے ادھر ہوجاتی ہیں۔

س:۔ تلقین اور تثبیت کا کیا مفہوم ہے؟

ج:۔ جانکنی کے وقت مریض کے سامنے کلمہ شریف بلند آواز سے پڑھنے کو تلقین کہتے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب تلقین الموتی الخ، الحدیث (1-916) ص456)

میت کو دفن کرنے کے بعد وہاں قبر پر کھڑے ہو کر ذکر کرنے کو تثبیت کہتے ہیں۔

س:۔ اس تثبیت کا حدیث پاک سے ثبوت پیش کیجئے۔

سنن ابی داؤد میں موجود ہے:

كَانَ النَّبِي ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْآنَ يُسْئَلُ۔

(حضور ﷺ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو آپ وہاں کھڑے رہتے اور فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو پھر اس کی ثابت قدمی کے لئے دعا کرو کیونکہ ابھی اس سے سوال کئے جائیں گے)۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر، الحدیث 3221، ج3، ص289)

س:۔ کیا مرنے والوں کو ہماری عبادات وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے؟

ج:۔ (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم اپنے مردوں کے لئے دعائیں، صدقات، خیرات و حج وغیرہ کرتے ہیں۔ کیا یہ چیزیں انہیں پہنچتی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ضرور پہنچتی ہیں اور وہ ان سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے تم ایک دوسرے کے ہدیے سے خوش ہوتے ہو۔ (مسند احمد)

(۲) ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ اگر میں ان کے لئے صدقات و خیرات کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: انہیں ضرور ثواب پہنچے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب وصول ثواب الصدقۃ الخ، الحدیث (51-1004) ص502)

س:۔انسان کے مرنے کے بعد اسے کن چیزوں کا ثواب ملتا رہتا ہے؟

ج:۔رسول کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے جن کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے۔

(۱)صدقہ جاریہ۔(۲)وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے۔(۳)وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان الخ، الحدیث (14-1631) ص886)

س:۔میت کا قبر میں کیسا حال ہوتا ہے؟

ج:۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا الْمَیِّتُ فِیْ قَبْرِہٖ اِلَّا شَبِیْہُ الْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ صَدِیْقٍ ثِقَۃٍ فَاِذَا اَلْحَقَتْہُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا لِاَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ لَیُدْخِلُ عَلٰی اَھْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَھْلِ الْاَرْض اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ ھَدِیَّۃَ الْاَحْیَاءِ لِلْاَمْوَاتِ الْاَسْتِغْفَارُ لَھُمْ وَالصَّدَقَۃُ عَنْھُمْ۔

(فردوس الاخبار للدیلمی، باب المیم، الحدیث 6664، ج2، ص336۔شعب الایمان للبیہقی، باب فی برالوالدین، فصل فی حق الوالدین الخ، الحدیث 7905، ج6، ص203)

(مردہ قبر میں ایک ڈوبنے والے کے مشابہ ہوتا ہے جو فریاد کررہا ہوتا ہے وہ انتظار کرتا ہے اپنے باپ، ماں اور قابل اعتماد دوست کی طرف سے کسی دعا کی۔جب دعا اسے پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل قبور پر زمین والوں کی دعا کے وسیلہ سے پہاڑ جتنی خیرات و برکات نازل کرتا ہے۔بے شک زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے عظیم تحفہ ان کے لئے استغفار کرنا اور ان کی طرف سے صدقہ کرنا ہے)۔

س:۔کیا مرنے والے قبروں میں سنتے ہیں؟

ج:۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) مَامِنْ اَحَدٍ یَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِیْہِ الْمُؤْمِنِ کَانَ یَعْرِفُہٗ فَسَلَّمَ عَلَیْہِ اِلَّا عَرَفَہٗ وَرَدَّ

عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ (وفاء الوفا، الجزء الرابع، ص 1351)

کوئی آدمی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے وہ اس کو جانتا تھا اور اس نے اس پر سلام کیا تو وہ مردہ اس کو پہچانتا ہے اور پہچان کر سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ رَجُلٍ یَزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْهِ وَیَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَاْنَسَ بِهٖ حَتّٰی یَقُوْمَ۔ (وفاء الوفا: الجزء الرابع، ص 1351)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اس کے پاس بیٹھتا ہے تو وہ صاحب قبر اس سے انس محسوس کرتا ہے یہاں تک زیارت کرنے والا کھڑا ہو جائے۔

(۳) رَوٰی ابْنُ اَبِی الدُّنْیَا، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ یَعْرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ اِلَّا رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهٗ وَاِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا یَعْرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصلاۃ الخ، فصل فی زیارۃ القبور، الحدیث 9296، ج 7، ص 17)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: جب کوئی آدمی کسی آدمی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جو اس کو پہچانتا تھا اس نے اس مردہ پر سلام کیا تو وہ مردہ اس کو سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچانتا بھی ہے۔ اور جب کسی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس کو نہیں پہچانتا اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کو سلام کا جواب دیتا ہے۔)

(۴) طبرانی نے اوسط میں ابن عمر سے اور بیہقی نے اس کی روایت اور حاکم نے اس کی تصحیح کی یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ مصعب بن عمیر اور ان کے ساتھیوں کی قبروں کے پاس احد سے واپسی پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّکُمْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ اللهِ رُدُّوْهُمْ اِذَا سَلِّمُوْا عَلَیْهِمْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْهِمْ اِلَّا رَدُّوْا عَلَیْهِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔

المعجم الاوسط للطبرانی، الحدیث، 3700، ج 3، ص 7 والمستدرک علی الصحیحین، باب زیارۃ قبور الشہداء الخ،

الحدیث ،3031ج 2،ص629)

(میں گواہی دیتا ہوں کہ تم زندہ ہو اللہ کے ہاں۔ یہ سلام کا جواب دیتے ہیں جب ان پر سلام کیا جائے مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی ان پر سلام نہیں کرے گا مگر یہ قیامت تک اس کے سلام کا جواب لوٹاتے رہیں گے)۔

(۵) اَخْرَجَ الشَّیْخَانِ وَغَیْرُھُمَا مِنْ طَرِیْقِ قَتَادَۃَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اِنَّہٗ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر ،الحدیث ،1374ج 1،ص463)

(امام بخاری ومسلم اور دیگر محدثین نے حضرت انس سے نقل کیا ہے کہ آپ نے کہا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست دفن کرنے کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے)۔

(۶) ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابوحبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ اِنَّہٗ یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِھِمْ حِیْنَ یُوَلُّوْنَ اِلَیْہِ۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، الحدیث،2630ج 2،ص92 والمستدرک علی الصحیحین، کتاب الجنائز، المیت یسمع خفق نعالھم، الحدیث ،1444ج 1،ص 716 و الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، ذکر سماع المیت الخ، الحدیث 3108ج 4،ص48)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ اسے دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔

س: سماع موتی کے بارے میں محدثین اور مفکرین کے اقوال بیان کریں۔

ج:۔ (ا) سید انور شاہ کاشمیری اپنی کتاب فیض الباری شرح صحیح بخاری ج 2، ص 467 میں لکھتے ہیں:

میں (انور شاہ) کہتا ہوں کہ سماع موتی کے لئے ان احادیث میں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام دیتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر صاحب مزار اس کو دنیا میں پہچانتا ہے تو اب بھی وہ اس کو پہچان لیتا ہے۔

(فیض الباری شرح صحیح بخاری، ج 2، ص 467، مکتبہ محمد یعقوب الفراہی مطبع حجازی بالقاہرہ)

(۲) علامہ محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی لکھتے ہیں:

وَالْحَقُّ اَنَّ الْمَوْتٰی یَسْمَعُوْنَ فِی الْجُمْلَةِ۔

(تفسیر روح المعانی، تحت آیۃ 53، سورہ روم، ج 21، ص 79)

(حق یہ ہے کہ مردے یقیناً سنتے ہیں اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)

(۳) علامہ ابن کثیر نے بھی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح فرمایا ہے کیونکہ اس کی تائید دیگر شواہد کثیرہ کرتی ہیں۔

(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، الروم، تحت آیۃ 53، ج 6، ص 291)

نیز علامہ مذکور آیت فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کے تحت اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَالسَّلَفُ مُجْمِعُوْنَ عَلٰی هٰذَا وَتَوَاتَرَتِ الْاٰثَارُ عَنْهُمْ بِاَنَّ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ بِزِيَارَةِ الْحَيِّ لَهٗ وَيَسْتَبْشِرُ۔

(تفسیر ابن کثیر مترجم، الروم، تحت آیۃ 52، ج 3، ص 735 (ضیاء القرآن پبلی کیشنز))

(سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے اور تواتر روایات سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتی اور اس سے خوش ہوتی ہے)۔ (ضیاء القرآن)

س:۔ سماع موتی کے بارے میں حکماء کے مشاہدات بھی ذکر کریں

ج:۔ (۱) ابو عبداللہ الحافظ نے ہمیں خبر دی کہ میں نے ابو یعلی حمزہ بن محمد علوی سے سنا انہوں نے کہا میں نے ہاشم بن محمد العمری سے سنا جو عمر بن علی کی اولاد سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد مدینہ طیبہ میں جمعہ کے دن شہداء کی قبور کی زیارت کے لئے طلوع فجر و طلوع آفتاب کے درمیان لے جایا کرتے تھے۔ میں ان کے پیچھے چلتا تھا۔ جب

قبرستان پہنچتے تو میرے والد نے بلند آواز سے کہا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔

(سلامتی ہو تم پر بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر۔)

تو انہیں جواب دیا گیا تم پر سلام ہو اے ابو عبداللہ! میرے والد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تو جواب دینے والا ہے میرے بیٹے! میں نے عرض کی نہیں! پھر انہوں نے دوبارہ سلام کا اعادہ کیا پھر ان مردوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ یہاں تک انہوں نے تین مرتبہ کہا۔ پھر میرے والد سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ولاتحسبن الذین الخ، جلد 3، صفحہ 309)

(۲) بیہقی نے ابو الدرداء اور ہاشم بن محمد سے روایت کی کہ میں نے ایک اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ جب کافی عرصہ گزر گیا تو انہوں نے کہا: کہ میں مٹی کی زیارت کے لئے کیوں جاؤں۔

وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہے تھے اے میرے بیٹے! تم اب زیارت کے لئے کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آتے تھے؟ میں نے کہا: کیا مٹی کی زیارت کرنے کو آؤں؟ والد نے فرمایا: بیٹا ایسا مت کہا کرو۔ جب تو میری قبر کی زیارت کے لئے آتے تو اس وقت میرے پڑوسی تمہارے آنے کی خبر اور خوشخبری سناتے تھے اور جب تم واپس جاتے ہو تو میں تم کو برابر دیکھتا رہتا ہوں یہاں تک تم شہر کوفہ میں داخل ہو جاتے ہو۔ (اتحاف السادۃ المتقین، الباب السادس ذکر الموت و مابعدہ، ج 14، ص 279)

(۳) حضرت شیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت شیخ بقاء رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حضرت امام احمد بن حنبل کی قبر کی زیارت کی میں نے مشاہدہ کیا کہ حضرت امام احمد بن حنبل اپنی قبر سے نکلے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کو اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا: میں آپ کا محتاج ہوں۔ (یعنی آپ کی دعاؤں کا محتاج ہوں)

(۴) آپ سے ایک اور روایت ہے کہ میں نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت

معروف کرخی کی قبر کی زیارت کی آپ نے کہا: سلام ہو اے شیخ معروف! تو قبر سے جواب آیا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا سَيِّدَ أَهْلِ الزَّمَانِ۔ (اے زمانہ کے لوگوں کے سردار! آپ پر بھی سلام ہو)۔ (قلائد الجواہر مصری)

س:۔ مرنے والوں کی عزت وتوقیر کے بارے میں حدیث پاک بیان کریں

ج:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ مردوں کو برا بھلا مت کہا کرو۔ کیونکہ وہ اعمال کی جزا کی طرف پہنچ گئے ہیں۔ (لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا)

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قبر النبی، الحدیث، 1393 ج 1، ص 470)

س:۔ زیارتِ قبور کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ کیا ہے؟

ج:۔ مزارات اولیاء اللہ پر حاضر ہو کر ایصال ثواب کرنا اور ان کی زیارت کرنا سلف صالحین کا معمول ہے۔ اس کے متعلق ابتداء میں حضور نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ لیکن پھر قبروں کی زیارت کو جانے کی اجازت عطا فرما دی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی زیارۃ القبور، الحدیث، 1571 ج 2، ص 252)

(حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا۔ مگر اب زیارت کیا کرو یہ دنیا میں زہد وتقوی کا باعث ہوگی اور آخرت کو یاد دلانے والی ہوگی)۔

نیز حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تم مقابر کی طرف جاؤ تو انہیں کہو تم پر سلامتی ہو مسلمان مردوں سے یا عورتوں سے تم ہم سے سبقت لے جانے والے ہو ہم تم سے ملاقات کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا ہم تمہارے اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت

کے طلب گار ہیں۔

پھر امام ابوعبداللہ بن نعمان اپنی کتاب ''سفینۃ النجات'' میں لکھتے ہیں کہ:

اصحاب بصیرت کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ برکت حاصل کرنے کے لئے صلحاء کی قبروں کی زیارت نہایت پسندیدہ اور محبوب عمل ہے۔ کیونکہ صالحین کی برکت ان کے وصال کے بعد بھی ویسے ہی جاری اور عام رہتی ہے جیسے ان کی زندگی میں تھی اور ان کی قبروں کے پاس دعا کرنا اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں اپنا شفیع بنانا علماء محققین اور ائمہ دین کا معمول رہا ہے۔

علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

اولیاء کرام، قرب الٰہی کے مدارج میں متفاوت ہیں اور زائرین کا نفع ان کے معارف اور اسرار کی وجہ سے ہوتا ہے ان کو جس قدر قرب الٰہی ہوگا اسی قدر زائر کو نفع حاصل ہوگا۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبور الخ، الحدیث (104-975) ص 485)

س:۔ قبور پر گنبد بنانے کے بارے میں اہل سنت کا مسلک کیا ہے؟

ج:۔ قبروں پر قبے اور گنبد بنانے کا مقصد وحید یہ ہے کہ زائرین کو آسانی اور سہولت میسر ہو، گرمی یا سردی ہو وہ نہایت اطمینان قلب سے صاحب مزار کو قرآن کریم اور دیگر اوراد و ظائف پڑھ کر ایصال ثواب کر سکیں اسی فائدہ کی خاطر علماء متقدمین اور محققین نے قبروں کو پختہ کرنے کی اور اوپر گنبد بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس کے بارے میں چند تصریحات تعامل صحابہ سے پیش خدمت ہیں۔

(۱) حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حکم بن ابی العاص کا انتقال ہوا موسم گرما ہونے کی وجہ سے اس کی قبر پر خیمہ لگایا گیا تو لوگوں نے اس کے بارے میں اعتراضات کئے۔ حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت زینب بنت جحش کا انتقال ہوا تو آپ کی قبر پر خیمہ لگایا گیا تو اس وقت اس پر نہ کسی نے اعتراض کیا اور نہ کسی نے

اس کو معیوب سمجھا۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، الرقم 1786، الحکم بن أبی العاص، ج 2، ص 92)

(۲) حضرت محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس کے مزار پر خیمہ نصب کیا۔

(عمدۃ القاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد الخ، ج 6، ص 185)

(۳) علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

وَقِیْلَ لَایُکْرَہُ الْبِنَاءُ اِذَا کَانَ الْمَیِّتُ مِنَ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ۔

(منقول ہے کہ قبر کے اردگرد عمارت بنانا مکروہ نہیں جبکہ میت، مشائخ، علماء یا سادات میں سے ہو)۔ (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب فی دفن المیت، ج 3، ص 170)

(۴) تفسیر روح البیان میں ہے:

اولیاء وصلحاء کی قبروں پر قبے بنانا اوران پر چادریں ڈالنا جبکہ اس سے صاحب مزار کی تعظیم مقصود ہو تو جائز ہے۔

(فتاوٰی سراجیہ، کتاب الجنائز، باب الدفن اللحد، ص 24)

س:۔ قبروں پر کتبے لگانے کے بارے میں اہلسنت کا کیا عقیدہ ہے؟

ج:۔ زائرین کی سہولت کے لئے قبر کے سرہانے کتبہ لگانا تا کہ ہر زائر کو میت کا نام اور تاریخ وصال معلوم ہو جائے بالکل درست ہے اور یہ عمل فقہاء اسلام کے نزدیک صحیح ہے۔

(۱) درمختار میں سراجیہ سے منقول ہے:

لَابَأْسَ بِالْکِتَابَۃِ اِنْ اُحْتِیْجَ اِلَیْھَا حَتّٰی لَایَذْھَبُ الْاَثَرُ۔

(الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، ج 3، ص 170)

(قبر پر لکھنے میں کوئی حرج نہیں اگر اس کی حاجت محسوس ہوتا کہ قبر کا نشان نہ ختم ہوگا)۔

(۲) حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَئِمَّۃَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَی الْمَغْرِبِ مَکْتُوْبٌ عَلٰی قُبُوْرِھِمْ وَھُوَ عَمَلٌ اَخَذَ بِہِ الْخَلَفُ مِنَ السَّلَفِ۔

(مشرق سے مغرب تک ائمہ مسلمین کی قبور پر لکھائی موجود ہے یہ ایسا عمل ہے جس کو بعد میں آنے والوں نے پہلے لوگوں سے اخذ کیا ہے)۔

س:۔قبر پر پانی چھڑکنے اور اس پر اذان دینے کا کیا حکم ہے؟

ج:۔(۱)حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا جس نے پانی چھڑکا وہ بلال بن رباح تھے اس نے مشکیزہ سے پانی کا چھڑکاؤ سرہانے کی طرف سے شروع کیا اور قدمین مبارک پر ختم کیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ماجآء فی صفۃ قبر النبی الخ، ج 7، ص264)

(۲)حضرت سعد بن معاذ کو دفن کیا گیا تو حضور ﷺ کافی دیر تک تسبیح فرماتے رہے اور تمام لوگ بھی آپ کے ساتھ تسبیح کہتے رہے۔پھر حضور ﷺ اللہ اکبر تکبیر فرمائی اور تمام لوگوں نے اللہ اکبر کہا۔صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس طرح کیوں تسبیح فرمائی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ تَضَایَقَ عَلٰی ھٰذَا الرَّجُلِ الصَّالِحِ قَبْرُہٗ حَتّٰی فَرَّجَ اللّٰہُ تَعَالٰی (اس نیک مرد پر قبر تنگ ہوئی یہاں تک اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرمائی (مسند الاحمد بن حنبل، مسند جابر بن عبد اللہ، الحدیث 14879، ج5،ص142)۔قبر میں بھی شیطان کے ورغلانے کا خدشہ ہوتا ہے اس لئے قبر پر آذان دی جاتی ہے تا کہ شیطان آذان کی آواز سن کر بھاگ جائے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ وَلَہٗ ضُرَاطٌ۔(جب آذان کہی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے اور اس سے گوز کی آواز نکلتا ہے)۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان، باب فضل التاذین، الحدیث 608، ج 1، ص222)

س:۔قبروں پر پھول ڈالنا اور سبز شاخیں رکھنے کا کیا جواز ہے؟

ج:۔امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا:
حضور ﷺ مدینہ طیبہ یا مکہ مکرمہ کے باغوں میں سے ایک کے پاس سے گزرے آپ ﷺ نے دو انسانوں کی آوازوں کو سنا جنہیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا۔حضور ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے لیکن یہ عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں دیا جا رہا ہے جس سے بچنا ممکن نہ ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے ایک کو عذاب

اس لئے دیا جارہا ہے کہ وہ اپنے پیشاب کے (چھینٹوں سے) پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک کھجور کی تر شاخ منگوائی اس کو دو ٹکڑوں میں توڑا ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ایسا کیوں فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تا کہ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جبکہ یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجآء فی عذاب القبر، الحدیث، 1378 ج 1 ص 464)

نیز احادیث طیبہ اور آیات قرآنیہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ہر زندہ چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ لکڑی جب تک تر ہے وہ ذکر کرتی ہے۔ اس وجہ سے قبروں پر پھول ڈالے جاتے ہیں تا کہ اس کی تسبیح سے مردوں کو فائدہ پہنچے۔

س:۔ قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ قبروں کو بوسہ دینا بالاتفاق جائز ہے اس میں حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کا تعامل موجود ہے۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا آپ رو رہے تھے اور حضور ﷺ کے آنسو مبارک حضرت عثمان کے چہرہ پر گر رہے تھے۔

(سنن ترمذی، الشمائل المحمدیۃ، باب ماجآء فی بکاء رسول اللہ، الحدیث، 325 ج 5 ص 563)

(۲) آپ سے ہی روایت ہے کہ جب حضور ﷺ کا وصال ہو گیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے آپ کا مکان محلہ سنح میں تھا۔ پھر آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے اور حضور ﷺ کی بارگاہ کا قصد کیا۔ آپ پر برد یمانی اوڑھی ہوئی تھی۔ حضرت صدیق نے حضور ﷺ کا چہرہ کھولا آپ ﷺ کا بوسہ لیا اور روئے۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت الخ، الحدیث، 1241-1242 ج 1 ص 421)

(۳) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مزار اطہر کے ساتھ اپنے چہرہ کو ملنا۔

ابن عساکر نے سند جید کے ساتھ حضرت ابو الدرداء سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیت المقدس کو فتح کر کے واپس تشریف لائے اور جابیہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ انہیں شام میں رہنے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ آپ نے اجازت فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خواب میں شفیع عاصیاں ﷺ کی زیارت کی حضور ﷺ نے فرمایا: مَاهٰذِهِ الْجَفْوَةُ يَا بِلَالُ (بلال یہ کیا زیادتی ہے؟) ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کے لئے آئے (اَمَا آنَ لَكَ اَنْ تَزُوْرَنِيْ يَا بِلَالُ) یہ خواب دیکھ کر آپ غم واندوہ اور خوف وحزن کے عالم میں بیدار ہوئے اس وقت اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کا قصد کیا اور حضور ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے فَجَعَلَ يَبْكِيْ عِنْدَهٗ وَيُمَرِّغُ وَجْهَهٗ عَلَيْهِ۔ آپ رونے لگ گئے اور اپنے چہرے کو قبر انور پر ملنے لگے۔ اس دوران حضرت امام حسن وحسین علیہما السلام تشریف لائے تو حضرت بلال ان دونوں کو اپنے سینے سے لگاتے اور ان کو بوسے دیتے تھے۔ دونوں صاحبزادگان نے کہا: ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ سے وہ اذان سنیں جو حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں مسجد نبوی ﷺ میں دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان حضرات کے حکم کی تعمیل میں مسجد نبوی ﷺ کے بلند جگہ پر چڑھے اور اس مقام پر کھڑے ہو گئے جس جگہ پر کھڑے ہو کر حضور ﷺ کی موجودگی میں اذان دیا کرتے تھے۔ جب حضرت بلال نے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کے کلمات کہے تو مدینہ طیبہ میں کہرام برپا ہو گیا اور جب آپ نے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا تو اس چیخ وپکار میں اور اضافہ ہو گیا اور جب حضرت بلال نے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا تو پردہ دار خواتین بھی گھروں سے نکل پڑیں اور آ کر کہنے لگیں اس دن سے زیادہ رونے اور چیخ وپکار کی آواز کبھی زیادہ نہیں سنی گئی حضور ﷺ کے وصال کے بعد۔ (وفاء الوفاء، الجزء الرابع ص 1356 وتاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، الرقم، 493 لابراہیم بن محمد، ج 7، ص 136)

(۴) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار اقدس کو بوسے دینا۔

ایک دفعہ مروان حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس نے وہاں ایک آدمی کو دیکھا جس نے اپنا چہرہ قبر انور پر رکھا ہوا تھا مروان نے اس کی گردن کو پکڑ کر کہا کیا تجھے معلوم ہے تو کیا کر رہا ہے؟ اس آدمی نے کہا: ہاں! مروان اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے فرمایا:

جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحجر سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَاتَبْكُوْا عَلَى الدِّيْنِ اِذَا وَلِيَهُ اَهْلُهُ وَلٰكِنْ ابْكُوْا عَلَيْهِ اِذَا وَلِيَهُ غَيْرُ اَهْلِهِ (هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاَسْنَادِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ)۔

(وفاء الوفاء الجزء الرابع، ص 1356، و مستدرک للحاکم، کتاب الفتن والملاحم، باب ابکوا علی الدین الخ، الحدیث 8618، ج 5، ص 720)

(میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور میں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ نے ارشاد فرمایا کہ دین پر مت رو جبکہ اس کے والی اہل ہوں اور دین پر رو جب اس پر نا اہل والی ہوں)۔

اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام محبت سے مزار بوسی کیا کرتے تھے اور اس سے روکنے والے کو حضرت ابو ایوب انصاری نے نا اہل اور دین سے بے بہرہ اور ناواقف فرمایا لیکن مزار بوسی سے روکنے کی وجہ سے دین پر رونا اور افسوس ظاہر کرنا فرمایا تو مزار بوسی سے روکنے والے نالائق اور بے دین ثابت ہوئے۔

س:۔ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں کو بوسے دینے کا ثبوت دیں؟

ج:۔ (۱) علامہ عینی شارح بخاری تحریر فرماتے ہیں:

وَاَمَّا تَقْبِيْلُ الْاَمَاكِنِ الشَّرِيْفَةِ عَلٰى قَصْدِ التَّبَرُّكِ وَكَذٰلِكَ تَقْبِيْلُ اَيْدِى الصَّالِحِيْنَ وَاَرْجُلِهِمْ فَهُوَ حَسَنٌ مَحْمُوْدٌ بِاِعْتِبَارِ الْقَصْدِ وَالنِّيَّةِ۔

(عمدۃ القاری، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الاسود، تحت الحدیث 1597، ج 7، ص 166)

(اور متبرک مقامات کا بوسہ دینا تبرک کی نیت سے درست ہے اسی طرح بزرگوں کے

ہاتھ پاؤں کا چومنا نیت اور ارادہ کے اعتبار سے نہایت پسندیدہ اور عمدہ عمل ہے)۔

(۲) حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے عرض کی آپ اس جگہ کو ظاہر کیجئے جہاں حضور ﷺ بوسہ دیا کرتے تھے وہ جگہ ناف ہے۔ آپ نے اس جگہ کو حضور ﷺ کی عزت و توقیر کی نیت سے بوسہ دیا اور جو چیز محبوب سے نسبت رکھتی ہے وہ عاشق کے لئے محبوب ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مریدین اپنے شیوخ کے ہاتھ پاؤں کو چومتے ہیں۔

(۳) حضرت ثابت البنانی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک اس کو چوم نہ لیتے اور فرماتے یہ وہ ہاتھ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مس فرمایا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء، الرقم ،376 عبیدۃ بن عمرو السلمانی، ج5، ص86)

س:۔ حضور ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنے کے بارے میں اہل سنت کا کیا عقیدہ ہے ثابت کریں؟

ج:۔ حضور ﷺ کا نام نامی اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا مستحب ہے اور صحابہ کرام میں خصوصاً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت مطہرہ ہے۔

حدیث پاک میں ہے ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اذان میں آپ کا نام نامی سن کر اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرا اور کہا قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ ﷺ (یارسول اللہ ﷺ آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں) جب اذان ختم ہوئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو بکر! جو تمہاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام نئے پرانے، ظاہر و باطن گناہ معاف فرمائے گا۔ (المقاصد الحسنۃ، حرف المیم، الحدیث ،1021 ص390)

س:۔ انگوٹھے چومنے کے بارے میں فقہائے کرام کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب:۔ فقہ کی مشہور کتاب ردالمحتار ج1، ص370 پر موجود ہے کہ اذان سننے والا پہلی بار شہادت سن کر صلی اللہ علیک یارسول اللہ کہے اور دوسری بار شہادت (أشهد أن محمدا

رسول اللہ) سن کر وہ قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہے پھر اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرے اور یہ کہے: اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ۔ تو حضور ﷺ اسے اپنے ساتھ جنت میں لے کر جائیں گے۔ (ردالمحتار، کتاب الآذان، مطلب فی کراھۃ تکرار الجماعۃ الخ، ج 2، ص 84)

اس کے متعلق علامہ محدث علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی ہے۔

(الموضوعات الکبریٰ لملا علی قاری، الحدیث 829، المیم، ص 210)

س:۔ قبرستان میں قرآن کریم اور دوسرے وظائف پڑھنے کے بارے میں مطلع کریں۔

ج:۔ قبرستان میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور ان کا ثواب مردوں کو پہنچانا ثابت شدہ مسئلہ ہے علماء کرام نے اسے مستحب قرار دیا ہے اس سے مردے خوش ہوتے ہیں ان کے لئے استغفار کرنے سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔

علامہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

(۱) وَاسْتَحَبَّ الْعُلَمَاءُ قِرَاءَۃَ الْقُرْآنِ عِنْدَ الْقَبْرِ۔ لِھٰذَا الْحَدِیْثِ اِذْ تِلَاوَۃُ الْقُرْآنِ اَوْلٰی بِالتَّخْفِیْفِ مِنْ تَسْبِیْحِ الْجَرِیْدِ۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطہارۃ، باب آداب الخلاء، تحت الحدیث 338، ج 1، ص 58)

(علماء نے قبر کے پاس تلاوت قرآن کریم کو مستحب قرار دیا ہے۔ اسی حدیث کے تحت کہ شاخ کی تسبیح کرنے سے عذاب میں تخفیف ہے تو قرآن کریم کی تلاوت سے بدرجہ اولی تخفیف ہوگی)۔

علامہ سیوطی شرح الصدور میں لکھتے ہیں۔

اَمَّا قِرَاءَۃُ الْقُرْآنِ عَلَی الْقَبْرِ فَجَزَمَ بِمَشْرُوْعِیَّتِھَا اَصْحَابُنَا وَغَیْرُھُمْ۔

(شرح الصدور، باب فی قراءۃ القرآن للمیت، ص 311)

(قبر پر قرآن کریم کی تلاوت کو ہمارے اصحاب اور دوسرے لوگوں نے اس کے مشروع جائز ہونے کا یقین کیا ہے)۔

(۳) امام نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے:

يَسْتَحِبُّ لِزَائِرِ الْقُبُوْرِ اَنْ يَّقْرَأَ مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ وَيَدْعُوْلَهُمْ عَقْبَهَا۔

(المرجع السابق)

(زائرِ قبور کے لئے مستحب ہے کہ اس کے لئے جتنا ممکن ہو تو قرآن کریم کی تلاوت کرے اور اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے)۔

(۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا أَقُوْلُ لَكُمْ الٓمٓ حَرْفٌ وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ۔

(سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی من قرا الخ، الحدیث ،2919 ج 4، ص417)

(جس شخص نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوگا میں تمہیں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے)۔

تو جو شخص الم پڑھے گا اس کو تیس نیکیاں ملیں گی۔

س:۔ ایصال ثواب کے بارے میں صحابہ کرام کا کیا معمول تھا؟

ج:۔ (۱) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے یہ فرماتے سنا:

يَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَلَاتَحْبِسُوْهُ وَاَسْرِعُوْا بِهٖ اِلٰى قَبْرِهٖ وَلْيَقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةَ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ خَاتِمَةَ الْبَقَرَةِ۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصلاۃ الخ، فصل فی زیارۃ القبور، الحدیث ،9294ج 7، ص16)

(جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کو مت روکو اور اسے جلدی قبر تک پہنچاؤ اس کے سرہانے سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات پڑھو اور اس کے پاؤں کی طرف سورۃ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کرو)۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَاَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ثُمَّ قَالَ اِنِّيْ جَعَلْتُ ثَوَابَ هٰذَا مَا قَرَأْتُ مِنْ كَلَامِكَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَانُوْا شُفَعَاءَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔

(شرح الصدور، باب فی قراۃ القران للمیت، ص311)

(جو شخص قبرستان جائے پھر سورۃ فاتحہ، قل ھو اللہ احد، الھاکم التکاثر کی تلاوت کرلے اس کے بعد کہے یا اللہ جو کچھ میں نے کلام پڑھا ہے اس کا ثواب اس قبرستان کے تمام مسلمان مرد وعورت کو پہنچا۔ تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے سفارشی ہوں گے)۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ يٰسٓ۔ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَكَانَ لَهٗ بِعَدَدِ مَنْ فِيْهَا حَسَنَاتٌ۔　　(المرجع السابق، ص312)

(جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۃ یاسین کی تلاوت کرے (اس کا ثواب مردوں کو پہنچائے) تو اللہ تعالیٰ ان سے عذاب میں تخفیف کرتا ہے اور اس قبرستان میں جتنے مردے ہیں اتنی مقدار میں اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔

س:۔ فاتحہ اور نذر ونیاز سے کیا مراد ہے؟

ج:۔ کسی مسلمان کے فوت ہوجانے کے بعد قرآن کریم کی تلاوت، کلمہ شریف، درود شریف اور دوسرے اعمال صالحہ یا کھانا کپڑے وغیرہ صدقہ کرنے کا جو ثواب پہنچایا جاتا ہے اسے عرف عام میں فاتحہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں سورۃ فاتحہ بھی پڑھی جاتی ہے۔

اولیاء کرام کو جو ایصال ثواب کیا جاتا ہے تعظیماً وادباً اسے نذر ونیاز کہتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج13، ص599)

س:۔ کیا کھانے پینے کی چیزوں کی نسبت بندوں کی طرف کرنے سے وہ حرام ہوجاتی ہیں؟

ج:۔حرام نہیں ہوتیں بلکہ حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں حضرت سعد نے اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لئے کنواں کھدوایا اور حضور ﷺ نے فرمایا: ھذہ لام سعد (یہ کنواں سعد کی والدہ کے لئے ہے)

(سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی فضل سقی الماء، الحدیث 1681، ج2، ص180)

معلوم ہوا کہ کھانے پینے کی چیزوں کی نسبت کسی فوت شدہ شخص کی طرف کرنے سے وہ حرام نہیں ہوتیں ورنہ صحابی رسول ﷺ ہرگز ایسا نہ کرتے۔

س:۔کیا فاتحہ پڑھنے سے کھانا برکت والا ہوجاتا ہے؟

ج:۔(۱) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاوی کی جلد اول ص ۷۱ پر لکھتے ہیں: نیاز کا وہ کھانا جس کا ثواب امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو پہنچایا جائے اس پر فاتحہ، قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ کھانا برکت والا ہوجاتا ہے۔ اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔

(۲) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہ کھانا جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء کرام کی ارواح طیبہ کو نذر کیا جاتا ہے جائز ہے اور باعث برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اس میں بھی برکت آجاتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

س:۔کیا فاتحہ یا دعا کے وقت کھانے کا سامنے ہونا ضروری ہے؟

ج:۔ضروری نہیں ہے البتہ جائز اور بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے جانور کی قربانی کر کے اس کے سامنے یہ دعا فرمائی: یا اللہ! اسے میری امت کی طرف سے قبول فرما۔

(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب استحباب الضحیۃ، الحدیث 1967، ص1087)

کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور دعائے برکت کرنا متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

(۱) غزوہ تبوک کے دن حضور ﷺ نے کھانے پر برکت کی دعا فرمائی۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید، الحدیث (27-45) ص35)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے کھانا اپنے دست اقدس میں لے کر دعا کی۔

(المستدرک علی الصحیحین، تفسیر سورۃ احزاب، معجزۃ تکثیر الطعام، الحدیث ،3617 ج 3، ص 193)

س:۔ کھانے وغیرہ پر فاتحہ پڑھنے کا مفصل طریقہ بیان کریں؟

ج:۔ پہلے چاروں قل شریف تلاوت کئے جائیں، پھر سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی جائے اس کے بعد سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرے یا قرآن کریم میں جتنی مقدار میں تلاوت کر سکے پھر درود پاک پڑھے اس کے بعد یوں دعا مانگے۔

یا اللہ ان آیات اور درود پاک کو ان کھانے کی چیزوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ ان عبادات کا ثواب ہمارے آقا و مولا ﷺ کی بارگاہ میں مرحمت فرما۔ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے تمام انبیاء کرام، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، تابعین، اولیاء کاملین خصوصاً اپنے مرشد کریم کا نام لے کر اور اب تک جتنے مسلمان فوت ہوئے ہیں ان سب کو اس کا ثواب پہنچا اور پھر خصوصی طور پر اپنے والدین، بھائی، عزیز و اقارب کے نام لے کر عرض کرے کہ اس کا ثواب ان کو پہنچا دے۔ اس کے بعد درود شریف پڑھے۔

س:۔ فاتحہ خوانی کے بعد ہاتھوں کو منہ پر پھیرنا چاہیے؟

ج:۔ امام ابو داؤد نے نقل کیا ہے حضرت صائب بن یزید نے اپنے والد سے نقل کیا ہے:

(۱) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا دَعَا رَفَعَ یَدَیْہِ وَمَسَحَ وَجْھَہٗ بِیَدَیْہِ۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء، الحدیث ،1492 ج 2، ص 113)

(حضور ﷺ جب دعا فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے پھر اپنے ہاتھوں کو منہ پر پھیرتے)۔

(۲) حصن حصین میں منقول ہے:

آدَابُ الدُّعَاءِ بَسْطُ الْیَدَیْنِ وَرَفْعُھُمَا۔ (حصن حصین، آداب الدعا، ص 24)

(دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پھیلایا جائے اور ان دونوں کو اٹھایا جائے)۔

(۳) سنن ابی داؤد میں ہے:

اِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰہَ فَاسْئَلُوْہُ بِبُطُوْنِ اَکُفِّکُمْ۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الدعا، الحدیث 1486، ج2، ص112)

(جب تم سوال کرو اللہ تعالیٰ سے تو ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو اٹھا کر سوال کرو)۔

(۴) ایک اور مقام پر مذکور ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ رَبَّکُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اِلَیْہِ اَنْ یَّرُدَّھُمَا صِفْرًا

(المرجع السابق، الحدیث 1487، ص112)

(تمہارا رب بہت شرم والا اور کریم ہے اسے اپنے بندے سے شرم آتی ہے کہ جب وہ اپنے ہاتھ کو اس کی طرف پھیلائے تو وہ اسے خالی واپس کردے)۔

س:۔ مردوں کیلئے زندوں کی طرف سے کس چیز کو تحفہ قرار دیا گیا ہے؟

ج:۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ دعاء مغفرت ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصلاۃ علی الخ، فصل فی زیارۃ القبور، الحدیث 9295، ج7، ص16)

س:۔ جمعرات کے دن فاتحہ خوانی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج:۔ جب کوئی مسلمان فوت ہوتا ہے تو اسے شروع دنوں میں ایصال ثواب کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں تحریر کرتے ہیں:

میت کے انتقال کے بعد سات روز تک صدقہ دیا جائے جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے اس کے گھر والے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں ہر جمعرات کو فاتحہ کرنے کی یہی اصل ہے۔

(اشعۃ اللمعات، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، ج1، ص763 (مکتبۃ رشیدیہ کوئٹہ))

س:۔ کسی مسلمان کے انتقال پر قل خوانی کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

ج:۔ قرآن کریم کی تلاوت اور خیرات وغیرہ کا سلسلہ تو میت کے انتقال کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے لیکن تعزیت کا وقت شرعاً تین دن تک ہے اس لئے تعزیت کے آخری دن لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہو کر تلاوت قرآن کریم، کلمہ طیبہ، درود پاک پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں۔

س:۔ دن کا تعین کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

ج:۔ اس کی تعین میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ مقررہ تاریخ اور وقت پر کافی لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہو جاتی ہے اسی طرح سب لوگ اجتماعی دعا میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اور سوئم اور چہلم کی تعین کرنے میں یہی اصل چیز ہے اور یہ کرنا جائز ہے۔

نیز حضور ﷺ نے بھی میت کے ایصال ثواب کے لئے تعین فرمایا۔ نیز جمعہ، جمعرات کے دن خصوصیت سے والدین کی قبور کی زیارت کا حکم دیا۔

شعب الایمان للبیہقی میں ہے: مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَیْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِیْ کُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهٗ وَکُتِبَ بَرًّا (شعب الایمان للبیہقی، بابٌ فی برالوالدین، الحدیث، 7901، ج 6، ص 201)

(جس نے اپنے والدین کی قبر کی زیارت کی یا ایک کی جمعہ کے دن تو اس کی مغفرت کی جائے گی اور اسے نیکوکاروں میں لکھا جائے گا)۔

س:۔ سوم وغیرہ کی تعین پر کوئی حدیث پاک یا صحابہ کا عمل بیان کریں؟

ج:۔ (۱) ملا علی قاری فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وفات کا تیسرا دن تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں خشک کھجور اور دودھ لائے جس میں جو کی روٹی بھی تھی۔ اس کو حضور ﷺ کے نزدیک رکھا حضور ﷺ نے اس پر فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھی دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور ان کو اپنے چہرہ اقدس پر پھیرا اور حضور ﷺ نے حضرت ابوذر کو حکم دیا کہ اسے لوگوں میں تقسیم کر دے۔

(۲) حضرت انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میت پر پہلی رات بہت سخت ہوتی ہے۔ پس اس کے لئے صدقہ خیرات کرو اور چاہئے یہ کہ صدقہ و خیرات کی کاروائی سات دن تک کی جائے اور بعض نے کہا کہ چالیس رات تک کی جائے کیونکہ میت اپنے گھر والوں کی طرف شوق رکھتا ہے۔

س:۔ سوم پر کلمہ شریف پڑھنے کے رواج کی کیا اصل ہے؟

ج:۔ اکابر علماء کرام نے میت کے وفات کے تیسرے دن ختم قرآن کریم کے علاوہ چنوں یا گٹھلیوں پر گن کر ستر ہزار یا ایک لاکھ مرتبہ درود شریف یا کلمہ شریف پڑھنے کا ایک معمول بنایا ہوا ہے۔

احادیث طیبہ میں ستر ہزار کلمہ طیبہ پڑھنے اور اس کے ایصال ثواب کرنے کی بڑی فضیلتیں مذکور ہیں۔

اتنی مقدار میں تسبیحات وغیرہ مہیا کرنا مشکل ہوتا ہے لہٰذا اس دن مسلمانوں کے اس جم غفیر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنی مقدار میں کلمہ شریف پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے تاکہ اس کی مغفرت ہو جائے۔

جیسا کہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تحریر کرتے ہیں:

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے حضور ﷺ سے یہ حدیث پاک پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سَبْعِيْنَ اَلْفًا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَمَنْ قِيْلَ لَهٗ غَفَرَ لَهٗ اَيْضًا

(جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور جس کیلئے اتنی بار کہا جائے اور اسے ایصال ثواب کیا جائے تو اس کی بھی وہ مغفرت فرما دے گا)۔

چنانچہ میں نے اتنی مقدار میں لا الہ الا اللہ پڑھا اور اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ تھی میں اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کے ہاں دعوت میں گیا وہاں ایک ایسا نوجوان موجود تھا جس کے کشف کی بڑی شہرت تھی وہ کھانا کھاتے کھاتے رونے لگ گیا میں

نے اس سے رونے کا سبب پوچھا اس نے بتایا کہ میں اپنی ماں کو عذاب میں دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ میں نے دل میں اپنے پڑھے ہوئے کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جوان ہنسنے لگ گیا اور کہنے لگا اب میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھ رہا ہوں۔

شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں میں نے حدیث پاک کی صحت اس نوجوان کے کشف سے جانی اور اس کے کشف کی صحت، حدیث طیبہ کی صحت سے پہچانی۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، کتاب الصلاۃ، باب ماعلی الماموم الخ، تحت الحدیث 1142، ج 3، ص 222)

بعض احادیث میں ستر ہزار کے علاوہ ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر میت کو بخشنے کا ذکر ہے۔ اور فرمایا گیا ہے کہ اس کے باعث میت کی مغفرت ہوتی ہے۔

قیامت کے بارے عقیدہ

س:۔ قیامت کا دن کیسا ہوگا؟

ج:۔ قیامت کا دن سخت ہولناک دن ہوگا اس کی دہشت سے دل دہل جائیں گے۔ زمین و آسمان، جن فرشتے تمام کائنات فنا ہو جائے گی۔ آسمان لپٹ جائے گا۔ زمین پر کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑ رہے ہوں گے حضرت عزرائیل تمام مقرب فرشتوں کی روحوں کو قبض کر لیں گے۔ آسمان کے ستارے بارش کے قطروں کی طرح زمین پر گر پڑیں گے ایک دوسرے سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہوں گے۔ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی سوائے پروردگار عالم کی ذات کے کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

س:۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کی روح کون قبض کرے گا؟

ج:۔ جب ہر چیز حکم الٰہی سے فنا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ عزرائیل علیہ السلام کو فرمائیں گے: ''مُتْ'' (مر جا) وہ تسبیح کرتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے اور مر جائیں گے۔

س:۔ قیامت کب برپا ہوگی؟

ج:۔ قیام قیامت کا صحیح وقت تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے یا اس کے رسول مکرم ﷺ

کو ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے چند نشانیاں بیان کی ہیں جب یہ وقوع پذیر ہوں گی تو قیامت برپا ہو جائے گی۔

س:۔ قیامت کی چند نشانیاں ذکر کریں؟

ج:۔ قیامت کی نشانیاں دو قسم کی ہیں۔

ایک عام قسم کی اور دوسرے خاص بڑی نشانیاں ہوں گی۔

عام نشانیاں درج ذیل ہیں:

علم دین اٹھ جائے گا۔ دین اسلام پر قائم رہنا از حد دشوار ہوگا۔ بدکاری اور بے حیائی عام ہوگی کسی بڑے کا شرم وحیا باقی نہ رہے گا۔ زکوۃ ادا کرنے کو لوگ تاوان تصور کریں گے۔ کمینے اور ذلیل قسم کے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوں گے۔ مال کی کثرت ہوگی۔ وقت میں برکت نہ ہوگی۔ ماں باپ کی نافرمانی عام ہوگی۔ مسجدوں میں شور وغوغا عام ہوگا اور دنیاوی باتیں ہوں گی۔ نااہل لوگ قبیلہ کے سردار ہوں گے۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوگی۔ عرب میں کھیتی باڑی، باغات نہریں بکثرت ہوں گی۔ مرد عورتوں کے فرمانبردار ہوں گے۔ بزرگوں پر لوگ لعن طعن کریں گے۔

س:۔ قیامت کی بڑی نشانیوں کا مختصر ذکر کریں؟

ج:۔ (۱) حضرت امام مہدی کا ظہور۔ (۲) دجال لعین کا خروج (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (۴) یاجوج ماجوج کا نکلنا (۵) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا (۶) دابۃ الارض کا نکلنا وغیرہ۔

مرنے کے بعد زندہ ہونے کے بارے عقیدہ

س:۔ حشر کیسے ہوگا اور سب سے پہلے کس کو زندہ کیا جائے گا؟

ج:۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائیں گے وہ بحکم الٰہی دوبارہ صور پھونکیں گے، جس سے حاملان عرش، حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت

میکائیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل علیہ السلام اٹھیں گے۔ پھر از سرِ نو زمین و آسمان، سورج چاند موجود ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ (الانبیاء)

(جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتدائے آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لوٹا دیں گے یہ وعدہ (پورا کرنا) ہم پر لازم ہے یقیناً ہم ایسا کرنے والے ہیں)۔

(۲) دوسرے مقام پر ارشادِ خداوندی ہے:

وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ (یٰسین)

(اور (دوبارہ) جب صور پھونکا جائے گا تو وہ فوراً اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے)۔

س:۔ دوسری مخلوق سے سب سے پہلے کس کا حشر ہوگا؟

ج:۔ سب سے پہلے سید الانبیاء محمد مصطفی ﷺ محشور ہوں گے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ (سب سے پہلے میرے لیے ہی زمین شق ہوگی)

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی الخ، الحدیث 3631، ج 5، ص 352)

س:۔ آپ ﷺ کے بعد کن لوگوں کا حشر ہوگا؟

ج:۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کے بعد انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین وغیرہ ہوں گے۔

س:۔ کیا حشر کے دن سب امتیں ایک جگہ اکٹھی ہوں گی؟

ج:۔ تمام اولادِ آدم دو گروہوں میں منقسم ہوگی ایک مسلمان اور دوسرا گروہ کفار کا ہر امت اپنے پیغمبر کے ساتھ ہوگی اور حضور ﷺ کی امت اور جملہ انبیاء حضور ﷺ کے لواء الحمد کے نیچے ہوگی۔ جب تمام اولادِ آدم میدانِ حشر میں اکٹھے ہوگی اس وقت آفتاب ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ گرمی کی شدت کے باعث ہر ایک کے پسینے جاری ہوں گے۔ اپنے

اعمال کے مطابق لوگ پسینہ میں شرابور ہوں گے۔ کفار کے منہ اور کان تک پسینہ ہوگا۔ گویا منہ میں لگام پڑیں گے۔ زبانیں خشک ہو چکی ہوں گی۔ دل ابل کر گلے میں آ رہے ہوں گے۔ پریشانی اور گھبراہٹ میں لوگوں کا برا حال ہوگا۔ اس وقت کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ ہر ایک اپنی پریشانی میں مبتلا ہوگا۔ ماں باپ، اولاد سے پیچھا چھڑائیں گے۔ بیوی بچے الگ پریشان ہوں گے۔ قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اس پریشانی کے عالم میں جب نصف دن گزرے گا تو لوگ اپنا سفارشی تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ تاکہ اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہو اور حساب شروع ہو سکے۔

س:۔ لوگ اس مصیبت سے کیسے خلاصی پائیں گے؟

ج:۔ تمام مخلوق اپنے جملہ انبیاء کے پاس حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک حاضر ہو کر اپنی پریشانی بیان کرے گی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کریں۔ لیکن کوئی نبی اس کی حامی نہیں بھرے گا۔ آخر میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مشورہ دیں گے کہ تمام لوگ شفیع المذنبین، اولاد آدم کے سردار محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں وہ ضرور تمہاری سفارش کریں گے۔

چنانچہ تمام مخلوق روتے چلاتے، جن میں آپ کو ماننے والے اور آپ پر اعتراضات کرنے والے بھی ہوں گے۔ حضور ﷺ کی بارگاہ میں فریاد کریں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے۔ حضور ﷺ نہایت شفقت کے ساتھ جواب عطا فرمائیں گے۔ (انا لہا، انا لہا) (میں اس کے لئے حاضر ہوں) یہ فرما کر حضور سید عالم ﷺ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ کافی دیر تک بارگاہ صمدیت میں سجدہ ریز رہیں گے اور ایسے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گے جن الفاظ سے کبھی کسی فرد نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء نہیں کی ہوگی۔ کافی وقت کے بعد بارگاہ الٰہی سے ندا آئے گی اے محمد! (ﷺ) اپنا سر اٹھاؤ کہو: تمہاری گزارش کو سنا جائے گا۔ مانگو تجھے دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اہل الجنۃ الخ، الحدیث 236(193) ص124)

چنانچہ اس کے بعد شفاعت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے:
میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور میری شفاعت قبول کی جائے گی۔

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب 3، الحدیث 3636، ج 5، ص 355)

آپ کے بعد دوسرے انبیاء مرسلین، شہداء، صحابہ کرام، اولیاء علماء حفاظ اپنے اپنے متوسلین کی شفاعت کریں گے۔ نیز ہر وہ شخص جس کو کوئی دینی منصب ملا ہو گا وہ بھی شفاعت کرے گا۔ نابالغ بچے جو مر گئے ہیں وہ بھی اپنے والدین کی شفاعت کریں گے۔

میزان کے بارے عقیدہ

س:۔ میزان کسے کہتے ہیں؟ اس پر اعمال کیسے تولے جائیں گے؟

ج:۔ میزان ترازو کو کہتے ہیں قیامت کے دن اعمال تولنے کے لئے نصب کیا جائے گا۔
جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ (الانبیاء: 47)
(ہم رکھ دیں گے تولنے والا ترازو)۔

اس کے بارے میں مخبر صادق حضرت محمد مصطفی ﷺ نے جتنا کچھ ارشاد فرمایا ہے صدق دل سے ایمان لے آئیں۔ اس کے علاوہ ان باتوں کی ٹوہ میں لگنا کہ وہ ترازو کیسا ہو گا؟ اس کے پلڑے کی نوعیت کیا ہو گی اور اعمال جو مجردات ہیں ان کو کیونکر تولا جائے گا۔
اس کے علم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کو تفویض کریں اور ان کی تفصیلات متعین کرنے میں اپنا وقت ضائع اور ذہن پریشان نہ کریں۔

مگر انسانی عقل نے آج حرارت اور روشنی کے درجات کو ناپنے، ہوا پانی کے دباؤ کا اندازہ کرنے کے لئے آلات ایجاد کر لئے ہیں تو اس قادر مطلق کی قدرت کاملہ سے کیا بعید ہے کہ وہ ایسا ترازو پیدا فرما دے جس میں اعمال نیک و بد کو تولا جا سکے۔

میزان حق ہے اس کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث پاک کافی ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: أنا فاعل میں شفاعت کروں

گا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں حضور کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: پہلے پل صراط پر۔ (جہاں سے میری امت گزر رہی ہوگی) مجھے ڈھونڈنا اور اگر وہاں ملاقات نہ ہوئی تو میزان کے پاس مجھے تلاش کرنا (جہاں امت کے اعمال کا وزن ہو رہا ہوگا) میں نے عرض کی: اگر وہاں بھی شرف ملاقات نصیب نہ ہو تو فرمایا: پھر حوض کے پاس۔

فَاِنِّیْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الْمَوَاطِنُ الثَّلَاثَةِ۔ (ترمذی، بیہقی)

(سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ماجآء فی شان الصراط الحدیث 2441، ج 4، ص 195)

(میں ان تین مقامات میں سے کسی ایک پر ضرور ہوں گا)۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

پل صراط کے بارے عقیدہ

س:۔ پل صراط کسے کہتے ہیں؟

ج:۔ یہ ایک پل ہے جو دوزخ کے اوپر نصب کیا جائے گا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ ہر نیک و بد، مجرم، بری، مومن، کافر، سب کو اس کے اوپر سے گزرنا ہوگا۔ کیونکہ جنت میں جانے کا یہی ایک راستہ ہے۔ سب سے پہلے حضور ﷺ اس سے گزریں گے پھر تمام لوگ اپنے اعمال کے مطابق مختلف صورتوں میں گزریں گے بعض بجلی کی تیزی سے گزریں گے بعض تیز ہوا کی طرح۔ بعض جس طرح گھوڑا دوڑ کر گزرتا ہے۔ بعض چیونٹی کی سی چال کے مطابق گزریں گے۔ لیکن مقربین بارگاہ الٰہی جب اس سے گزریں گے تو نہایت سکون، تحمل و وقار کے ساتھ گزریں گے۔ جب یہ عشاق اس سے گزرنے لگیں گے تو دوزخ سے ندا آئے گی اے اللہ کے نیک بندے! جلدی گزر کیونکہ تیرے عشق کی آگ سے میری آگ کی تمازت اور گرمی میں کمی آرہی ہے۔

اس کی تائید بھی حضور ﷺ کی حدیث پاک سے ہوتی ہے جو حضرت انس نے روایت کی ہے:

س:۔ حوض کوثر سے کیا مراد ہے؟

ج:۔ حشر کے دن پریشانی اور اضطراب کے عالم میں اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا

احسان اور کرم ہوگا جو حوض کوثر کی شکل میں ہوگا جو ہمارے نبی کریم ﷺ کو مرحمت ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (الکوثر)

بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و بے حساب عطا کیا)۔

س:۔کوثر کے بارے میں مزید تفصیل بتائیے:

ج:۔مختلف علماء تفسیر نے اس کے معانی تحریر کئے ہیں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) کوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس سے جنت کی ساری نہریں نکلتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا کردی ہیں۔

(۲) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔ موتیوں اور یاقوت کا فرش بچھا ہوا ہے اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب صفۃ الجنۃ، الحدیث 4334، ج 4، ص 537)

(۳) کوثر اس حوض کا نام ہے جو میدان حشر میں ہوگا جس سے حضور ﷺ اپنی امت کے پیاسوں کو سیراب فرمائیں گے۔ جن کے کناروں پر پیالے، آبخورے اتنی کثرت سے رکھے ہوں گے جتنے آسمان پر ستارے ہیں تاکہ در حبیب پر آکر کسی پیاسے کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ (تفسیر ضیاء القرآن، ج 5، ص 286)

س:۔حساب کے بعد انسان کہاں جائیں گے؟

ج:۔حساب کے بعد مسلمان جنت میں اور کافر دوزخ میں جائیں گے۔

س۔کیا جنت دوزخ بن گئے ہیں؟

ج:۔جنت دوزخ حق ہیں ان کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

س:۔جنت کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج:۔ جنت اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں شان جمال الٰہی کا پورا پورا ظہور ہوگا اس میں انواع واقسام کی نعمتیں موجود ہوں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ بندے جو ایمان لائے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے حکم ہوگا داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی گردش میں ہوں گے۔ ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ مزید برآں تم وہاں ہمیشہ رہو گے اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے لئے یہاں بکثرت پھل ہیں ان میں کھاؤ گے جو جی چاہے۔ (الزخرف:73)

اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں ان کا خیال پیدا ہوا۔

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہے تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور نہیں چاہیں گے کہ وہ اس جگہ کو بدل لیں۔ (الکھف:108)

س:۔ جنت کی کتنی اقسام ہیں؟

ج:۔ جنت کے آٹھ نام ہیں۔

(۱) جنت الماویٰ (۲) جنت النعیم (۳) جنت عدن (۴) جنت الفردوس (۵) دار السلام (۶) دار الخلد (۷) دار القرار (۸) دار الجلال یہ دیدار الٰہی کا مقام ہوگا۔

س:۔ رسول اللہ ﷺ کے جنت میں اعلیٰ مقام کا کیا نام ہے؟

ج:۔ اس کے درجہ کا نام ''الوسیلہ'' ہے یہ درجہ اعلیٰ ترین درجات میں سے ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ درجہ جنت میں نہیں بنایا گیا۔

س:۔ جنت میں باغات کس قسم کے ہوں گے؟

ج:۔ گنجان درختوں کے باغات چار دیواری کے اندر ہوں گے جن میں انواع و

اقسام کے میوہ جات ہوں گے اس کے باوجود ایسے باشعور ہوں گے جس وقت جنتی کسی میوہ کی خواہش کا اظہار کرے گا وہ میوہ والی شاخ خودبخود اس کی طرف مائل ہوگی اور وہ بلا تکلیف اس کو کھائے گا۔

س:۔ جنت کے باغات کے نیچے نہریں کتنی قسم کی ہوں گی؟

ج:۔ اس میں چار قسم کی نہریں ہوں گی۔ قرآن کریم نے ان کی تفصیل بتائی ہے۔

احوال اس جنت کا جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔

(۱) اس میں نہریں ہیں پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا۔

(۲) نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔

(۳) نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخش ہے پینے والے کے لئے۔

(۴) نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کیلئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور مزید برآں ان کے لئے بخشش ہوگی ان کے اپنے رب کی طرف سے۔ (محمد:15)

س:۔ جنت کی حوریں کیسی ہوں گی؟

ج:۔ نہایت حسین وجمیل اور پاکیزہ صفات حوریں ہوگی جن کو کسی نے چھوا تک نہیں۔

قرآن کریم ان کی صفات بیان فرماتا ہے:

''ان میں اچھی سیرت اور اچھی صورت والیاں ہوں گی یہ حوریں پردوں اور خیموں میں ہوں گی۔ ان کو اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔ (الرحمٰن:75)

س:۔ جنت کے مکان کس چیز سے بنائے گئے ہوں گے؟

ج:۔ جنت کے مکانات سونے چاندی کی اینٹوں اور جواہرات سے بنے ہوں گے۔

جس میں قبے اور بنگلے ایک ایک موتی اور یاقوت زمرد بلور اور رنگ برنگے جواہرات ہوں گے۔

س:۔ جنتی جب انواع واقسام کی غذائیں کھائیں گے تو نظام ہضم کیسا

ہوگا؟

ج:۔خوشبودار ڈکار اور پسینہ نکلے گا تو سب کھانا وغیرہ ہضم ہو جائے گا۔

س:۔جنتیوں کو اور کیا نعمتیں حاصل ہوں گی؟

ج:۔اہل جنت کے لئے منادی کرنے والا اعلان کرے گا کہ اے بہشت والو! تمہارے لئے صحت ہے کبھی بیمار نہ ہوگے، تمہارے لئے حیات ہے موت کبھی نہیں آئے گی، تمہارے لئے جوانی ہے کبھی بوڑھے نہ ہوگے، تمہارے لئے نعمتیں ہیں کبھی محتاج نہ ہوگے۔تمام انعامات سے بڑھ کر اعلیٰ ترین نعمت اور دولت اللہ کریم کا دیدار ہے۔جس سے اہل جنت کی آنکھیں بہرہ یاب ہوں گی اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ دولت نصیب فرمائے آمین۔

س:۔جنتی دیدار الٰہی کی نعمت سے کیسے بہرہ ور ہوں گے؟

ج:۔پروردگار کی زیارت کے لئے جب اجازت ہوگی رب ذوالجلال جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں تجلی فرمائیں گے تمام جنتیوں کے لئے منبر بچھائے جائیں گے نور کے منبر، موتیوں کے منبر ہوں گے کچھ یاقوت وزبرجد کے منبر ہوں گے کچھ سونے چاندی کے ہوں گے۔تمام جنتی اپنے اعمال کے مطابق ان منبروں پر تشریف فرما ہوں گے۔ اللہ کریم ہر ایک پر تجلی فرمائیں گے۔ان جنتیوں پر خوشبو برسائی جائے گی ایسی خوشبو ان لوگوں نے کبھی نہ سونگھی ہوگی۔پھر ان پر ابر رحمت چھا جائے گا اللہ کریم ارشاد فرمائیں گے۔ جاؤ! اس مقام کی طرف جو میں نے تمہاری عزت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔پھر تمام جنتی ایک بار اس میں جائیں گے۔ جسے ملائکہ گھیرے ہوں گے۔تمام جنتی ایک دوسرے کو ملیں گے مبارک بادیں دیں گے آپ کو پروردگار کے حضور بیٹھنا نصیب ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ جنتیوں کو نہایت اعلیٰ قسم کی سواریاں پیش کی جائیں گی۔ان پر سوار ہو کر جہاں جانا چاہیں جاسکیں گے۔

اپنا دیدار کرانے کے بعد اللہ کریم ارشاد فرمائیں گے کیا کچھ اور چاہتے ہو جو تمہیں عطا کیا جائے تمام جنتی عرض کریں گے مولا کریم تو نے ہمارے چہروں کو روشن کیا جنت میں

داخل کیا جہنم سے نجات دلائی دیدار الٰہی سے بڑھ کر کوئی عظیم نعمت نہیں ہے۔

اللهم ارزقنا زيارة وجهك الكريم بجاه حبيبك الرؤف الرحيم عليه الصلوٰة والتسليم۔

س:۔ حضور ﷺ کے بعد آپ کی تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کو کس نے جاری رکھا؟

ج:۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام نے اس مقدس مشن کو جاری رکھا۔

س:۔ صحابی کسے کہتے ہیں؟

ج:۔ وہ آدمی جس نے ایمان کی حالت میں حضور ﷺ کی زیارت کی ہو اور اسی پر اس کی وفات ہوئی ہو اس خوش نصیب آدمی کو صحابی کہتے ہیں۔

س:۔ صحابہ کرام کے بارے میں ہمیں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

ج:۔ تمام صحابہ کرام آقائے دو جہاں ﷺ کے جان نثار اور سچے غلام تھے۔ ان حضرات کا ذکر خیر نہایت عزت و ادب سے لیا جائے کیونکہ آپ کے تمام صحابہ عدول (عدل کرنے والے تھے)

آپ کا ارشاد پاک ہے: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے ان کی شان میں گستاخی کرنے والا گمراہ اور جہنم کا مستحق ہے۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب المناقب باب مناقب الصحابۃ، الحدیث 6018، ج 2، ص 414)

س:۔ صحابہ کرام میں سے افضل کون سے صحابہ ہیں؟

ج:۔ انبیاء کرام کے بعد تمام مخلوق سے افضل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد مراد رسول حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آپ کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔

سوال:۔عشرہ مبشرہ سے کیا مراد ہے؟

ج:۔ وہ صحابہ کرام جن کو حضور ﷺ نے جنت کی خوشخبری فرمائی ان میں سے حضرات خلفاء اربعہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

س:۔ان کے علاوہ بھی کسی کو جنت کی خوشخبری اور بشارت دی گئی ہے؟

ج:۔ہاں! ان حضرات کے علاوہ حضرات ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا، حضرت سیدنا امام حسن، سیدنا امام حسین علیہما السلام، حضرت سیدنا حمزہ اور حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہما نیز وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے وہ حضرات جو بیعت رضوان میں شامل ہوئے ان کو بھی جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں۔

س:۔تابعین کسے کہتے ہیں؟

ج:۔ حضور ﷺ کے وہ غلام جو صحابہ کرام کی صحبت میں رہے اور تربیت حاصل کی ان کو تابعی کہتے ہیں اور وہ مسلمان جوان تابعین کی خدمت اور صحبت میں رہے ان کو تبع تابعین کہتے ہیں۔امت محمدیہ میں صحابہ کرام کے بعد تابعی اور تبع تابعین افضل اور بہترین لوگوں میں سے ہیں۔

س:۔اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم میں کون حضرات شامل ہیں؟

ج:۔حضور ﷺ کے نسب اور قرابت کے لحاظ سے تمام وہ لوگ جن پر صدقہ لینا حرام ہوتا ہے وہ اہلبیت میں شامل ہیں ان میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات، آپ کی اولاد امجاد حضرت علی المرتضیٰ، حضرات امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

س:۔اہل بیت اطہار کے فضائل وکمالات مختصر طور پر تحریر کریں؟

ج:۔اہل بیت عظام کے فضائل بے شمار ہیں ان حضرات کی شان میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی موجود ہیں ان میں سے مختصراً چند ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) اہل بیت سے اللہ تعالیٰ نے رجس وناپاکی کو دور فرمایا اور انہیں خوب پاک کیا۔

(۲) اہل بیت رسول ﷺ پر دوزخ کی آگ حرام کی گئی۔

(۳) ان پر صدقہ لینا حرام کیا گیا کیونکہ یہ صدقہ دینے والوں کی میل ہوتی ہے۔

(۴) سب سے پہلے اہل بیت پاک کی شفاعت ہوگی۔

(۵) حدیث پاک میں ہے: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک کتاب اللہ یعنی قرآن کریم اور دوسری میری آل۔

(صحیح مسلم، کتاب فضائل صحابہ، باب فضائل علی بن ابی طالب، الحدیث (36-2408) ص 1312)

(۶) ایک اور مقام پر حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

اپنی اولاد کو تین خصلتیں سکھایا کرو،

اپنے نبی کی محبت، اہل بیت کی محبت اور قرآن کریم کی قرأت۔

(الجامع الصغیر للسیوطی، الحدیث، 311 ص 25)

س: صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین کے بعد تبلیغ دین اور دعوت الی الحق کی ذمہ داری کن نفوس قدسیہ کے ذمہ لگائی گئی ان کو کس نام سے پکارا جاتا ہے؟

ج: ۔ حضرات صحابہ کرام کے بعد تبع تابعین کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ان کے بعد یہ ڈیوٹی جن حضرات کو سونپی گئی ان کو اولیاء اللہ کہتے ہیں۔

س: ۔ ولی کسے کہتے ہیں اس کا کیا معنی ہے؟

ج: ۔ اس کا لغوی معنی ہے قریب، محب، صدیق اور مددگار۔

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ''ولی'' اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکر الٰہی میں مشغول رہے، شب و روز تسبیح وتہلیل میں مصروف ہو، اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی گنجائش نہ ہو وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے یہی وہ مقام ہے جس کو ''فنافی اللہ'' کا مقام کہتے ہیں۔

س:۔ بے علم اور شریعت سے انحراف کرنے والا "ولی" ہو سکتا ہے؟

ج:۔ جب تک عقل سلامت ہو تو کوئی ولی خواہ وہ کیسے ہی بڑے مرتبہ پر فائز ہو احکام شریعت کی پابندی سے آزاد نہیں ہو سکتا اور جو اپنے آپ کو شریعت کی پابندیوں سے آزاد سمجھے وہ ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ گمراہ ہے۔

س:۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ جب اس کو ہر وقت یاد کرتا رہتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے؟

ج:۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ (آل عمران)

(۱) (اے محبوب! آپ فرمائیے: اگر تم محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو محبت فرمانے لگے گا اللہ تعالیٰ تم سے اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے)۔

(۲) حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

میرا بندہ نوافل اور عبادت کر کے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں ان سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، الحدیث 6502، ج 4، ص 248)

س:۔ ثابت کیجئے کہ کیا اولیاء اللہ کیلئے نزدیک و دور برابر ہوتے ہیں؟

ج:۔ تفسیر کبیر میں امام رازی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا نور جلال بندے کی

سماعت ہوجاتا ہے تو وہ بندہ دور و نزدیک کی آوازوں کو یکساں سن سکتا ہے اور جب یہ نور بندے کی بصارت ہوجاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو یکساں دیکھ سکتا ہے اور جب یہی نور بندے کا ہاتھ ہوجائے تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں پر تصرف کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

س:۔ اولیاء اللہ کے لئے دور و نزدیک برابر ہیں کیا قرآن کریم میں اس کی کوئی دلیل ہے؟

ج:۔ سورۃ النمل آیت نمبر 40 میں مذکور ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا: کون ہے جو تخت بلقیس کو یمن سے بیت المقدس لے آئے تو اللہ تعالیٰ کے ایک ولی نے پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو وہاں حاضر کر دیا۔

س:۔ اولیاء اللہ کی چند علامات کا تذکرہ کریں۔

ج:۔ (۱) حضور ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جن کے دیدار سے خدا یاد آجاتا ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید نے حضور ﷺ سے یہ ارشاد پاک سنا۔ ایک دن حضور ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہیں ان لوگوں پر آگاہ نہ کروں جو تم سب سے بہتر ہیں؟ سب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اے اللہ کے رسول ضرور بتایئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب ان کی زیارت کی جائے تو اللہ یاد آجائے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب من لایوبہ لہ، الحدیث 4119، ج 4، ص 431)

س:۔ اولیاء کرام کی کچھ خصوصیات ذکر کریں۔

ج:۔ اولیاء کرام کے اندر دو قسم کی قوتیں ہوتی ہیں۔

(۱) اثر قبول کرنے کی اور دوسرا اثر کرنے کی قوت پہلی قوت کی وجہ سے وہ بارگاہ الٰہی سے فیض و تجلی کو قبول کرتے ہیں اور دوسری قوت سے وہ ان ارواح و قلوب کو فیض پہنچاتے ہیں جن کا ان سے روحانی لگاؤ اور قلبی مناسبت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص انکار اور تعصب سے پاک ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ ان کے فیوض و برکات سے

ضرور بہرہ ور ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ ہی صحابہ و تابعین کے بعد حضور ﷺ کے سچے جانشین ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص عنایات سے نوازا ہوتا ہے۔ جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ مخلوق کی حاجتیں پوری کرتا ہے، ان کی دعاؤں سے خلق خدا فائدہ اٹھاتی ہے، ان کی محبت دین و دنیا کی سعادت و برکت کا باعث ہوتی ہے ان کے اعراس میں شرکت کرنے والوں کو بہت سی برکتیں نصیب ہوتی ہیں۔

س:۔ کیا اولیاء اللہ کی دعا سے تقدیر بدلی جاسکتی ہے؟

ج:۔ جی ہاں! اولیاء اللہ کی دعا سے قضا مبرم بدل جاتی ہے۔

(۱) حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قضا مبرم (جو ٹل نہ سکے) بھی میری دعا سے بدل جاتی ہے۔

(مکتوبات امام ربانی (فارسی)، مکتوب 217، ج 1، ص 124)

(۲) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نگاہ کشف سے دیکھا کہ آپ کے دونوں صاحبزادوں حضرت محمد سعید اور حضرت محمد معصوم کے استاد ملا طاہر لاہوری کی پیشانی پر شقی (بدبخت) لکھا ہوا ہے آپ نے اس کا تذکرہ اپنے دونوں بچوں سے کیا۔ ان دونوں نے گزارش کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے استاد کی شقاوت کو سعادت میں بدل دے۔ حضرت مجدد نے فرمایا: میں نے لوح محفوظ میں دیکھا کہ یہ قضائے مبرم ہے اس کو بدلا نہیں جاسکتا۔ بچوں نے پھر بھی دعا کے لئے اصرار کیا آپ کو یاد آیا کہ حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ قضائے مبرم بھی میری دعا سے بدل جاتی ہے۔ تو میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ! تیری رحمت بڑی وسیع ہے تیرا فضل کسی ایک پر بند نہیں۔ میں امیدوار ہوں اور سوال کرتا ہوں کہ اپنے فضل عمیم سے میری التجا کو قبول فرما اور ملا طاہر کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا کر سعید کا لفظ ثبت فرمادے۔ جس طرح تو نے حضرت غوث الاعظم کی دعا قبول فرمائی تھی۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا دیا گیا اور سعید کا لفظ لکھا گیا۔ (تفسیر ضیاء القرآن، ج 2، ص 495، مطبوعہ لاہور)

س:۔ کیا اولیاء اللہ کا ذکر قرآن کریم میں ہے؟ چند آیات بیان کریں۔

ج:۔ (۱) اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ (یونس)

(بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور عمر بھر پرہیزگاری کرتے رہے۔ انہی کے لئے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں بھی)۔

(۲) وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)

(جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی)۔

س:۔ کیا اولیاء اللہ سے استعانت اور استمداد و استغاثہ کرنا جائز ہے؟

ج:۔ مصیبت و تکالیف کے وقت اولیاء اللہ سے ان کی زندگی میں اور وصال کے بعد بھی ان سے مدد مانگنا اور استغاثہ کرنا عقیدہ حقہ ہے جس کا ثبوت ائمہ و فقہاء امت نے کافی حوالوں سے پیش کیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے مراتب پر فائز فرمایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے جو چاہیں دے دیں وہ پکارنے والے کی صدا سن کر جواب دیتے ہیں۔

(۱) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر دعا مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ وہ حاجت پوری کر دیتا ہے۔ (الخیرات الحسان، الفصل الخامس والثلاثون، ص 94)

(۲) آپ سے ہی منقول ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک

اجابت دعا کے لئے مجرب ہے۔

(۴) اہل سمرقند پر جب قحط واقع ہوا تو بعض صالحین سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: حضرت امام بخاری کے مزار سے مدد چاہو اور امام بخاری کی قبر کو وسیلہ بنا کر دعا مانگو بارش نازل ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا سات روز تک دعا کی گئی باران رحمت نازل ہوئی۔

(مرقاۃ المفاتیح، شرح مقدمۃ المشکاۃ، ترجمہ الامام البخاری، ج 1، ص 57)

س:۔ اولیاء اللہ کے احادیث طیبہ میں فضائل کا ذکر کریں

ج:۔ (۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں میں ایسے انسان بھی ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مقام و مرتبہ دیکھ کر انبیاء و شہداء بھی ان کی تحسین کریں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں مطلع فرمائیں کہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگ نہ ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور نہ ان کو ان سے کوئی مالی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! ان کے چہرے منور ہوں گے اور بے شک وہ نور پر فائز ہوں گے۔ (بعض روایات میں نور کے منبر پر ہوں گے) اور جب لوگ خوفزدہ ہوں گے تو انہیں خوف نہیں ہوگا جب لوگ غمزدہ ہوں گے تو انہیں غم نہ ہوگا اور پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

(سنن ابی داود، کتاب الاجارۃ، باب فی الرہن، الحدیث 3527، ج 3، ص 402 وموسوعۃ لابن ابی الدنیا، کتاب الاخوان، الحدیث 5، ص 154 ج 8)

(۲) زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لے گئے دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ حضرت معاذ نے کہا: کہ میں اس وجہ سے رو رہا

ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور بے شک جس شخص نے بھی میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کر دیا بیشک اللہ تعالیٰ ان نیک متقی بندوں سے محبت کرتا ہے جو چھپے رہتے ہیں اگر وہ غائب ہوں تو ان کو تلاش نہیں کیا جاتا اور اگر وہ حاضر ہوں تو ان کو بلایا نہیں جاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر غبار آلود اندھیروں سے نکل آتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب من ترجی لہ السلامۃ، الحدیث 3989، ج 4، ص 351)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے ولی کو ایذا پہنچائی اس سے میری جنگ حلال ہو گئی۔

(حلیۃ الاولیاء، مقدمۃ المصنف، الحدیث 2، ج 1، ص 35)

(۴) حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے اولیاء میرے بندے اور میرے محبوب ہیں۔ یہ میری مخلوق میں سے وہ لوگ ہیں جو میرا ذکر کرتے ہیں اور میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث عمر بن الجموح، الحدیث 15549، ج 5، ص 293)

س:۔ ولی کی ان صفات کا ذکر کریں جو قرآن کریم میں بیان کی ہیں؟

ج: (۱) قرآن کریم نے ولی کی تعریف میں یوں فرمایا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ (جو ایمان لائے اور ہمیشہ متقی رہے)۔

ایمان سے مراد یہ ہے حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کی تصدیق کرنا اس کا اقرار کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے احکام پر عمل کرنا متقی رہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام صغیرہ کبیرہ گناہوں سے ہمیشہ مجتنب رہے مکروہ تنزیہی خلاف سنت اور خلاف اولی سے بھی بچتا رہے۔ تمام فرائض واجبات پر دوام کرے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی تمام سنتوں پر پابندی سے عمل کرے تمام سنتوں، آداب پر عامل ہو، نفلی عبادات کو دوام و استمرار کے ساتھ ادا کرے اور جب نماز پڑھنے کے لئے

کھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ کی صفات جمال و جلال میں ڈوبا ہوا ہو۔

انہیں عام مسلمانوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو، ان کا دل نور معرفت میں اس طرح مستغرق ہو کہ جب وہ دیکھیں تو قدرت الٰہی کے دلائل دیکھیں جب سنیں تو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی احادیث سنیں۔

یہ مضمون قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾ (الفرقان)

(اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے اور جو بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! دور فرمادے ہم سے عذاب جہنم۔ بے شک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے بے شک وہ بہت برا ٹھکانہ اور بہت بری جگہ ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی چند اور صفات کا تذکرہ بھی فرمایا۔

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی بلکہ ان کا خرچ کرنا اسراف و بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے۔

پھر فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس سے تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں۔ (الفرقان:72)

میلاد النبی ﷺ کے بارے عقیدہ

س: ۔ میلاد النبی ﷺ سے کیا مراد ہے؟

ج: ۔ حضور سرور دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کے واقعات کا ذکر خیر کرنا، آپ ﷺ کی ولادت کے وقت خلاف عادت واقعات کا تذکرہ، آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کا بیان میلاد النبی ﷺ کہلاتا ہے۔

س:۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت کون سے واقعات رونما ہوئے؟

ج:۔ (۱) آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جس وقت حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی میں نے ایک نور دیکھا جس کی روشنی سے شام کے محلات جگمگا اٹھے یہاں تک کہ میں ان کو دیکھ رہی تھی۔

(الوفاء، الباب الحادی والعشر ون فی ذکر ماجری عن وضع آمنۃ رسول اللہ، الحدیث ،94ج 1، ص 91)

(۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی حضرت آمنہ سے ایک نور نکلا جس نے سارے گھر کو بقعہ نور بنادیا ہر طرف نور ہی نور نظر آتا تھا۔

(المرجع السابق، الحدیث ،95ج 1، ص 91)

(۳) آپ کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے آپ کی ناف کٹی ہوئی تھی۔ (المرجع السابق، الحدیث، 97ج 1، ص 92)

(۴) حضرت عباس فرماتے ہیں: حضور ﷺ جب پیدا ہوئے تو آپ ﷺ مختون (ختنہ کیا گیا) تھے اور ناف کٹی ہوئی تھی جب آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کو علم ہوا تو بڑا تعجب کیا اور کہنے لگے میرے اس بچے کی شان بہت بڑی ہوگی۔

(المرجع السابق، الحدیث 102، ج 1، ص 93)

س:۔ حضور اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت کون سے دن اور مہینہ میں ہوئی؟

ج:۔ (۱) رسول اللہ ﷺ کی ولادت سوموار کے دن ربیع الاول شریف کی بارہ تاریخ کو عام الفیل میں ہوئی۔ (تاریخ طبری، ذکر مولد رسول اللہ، ج 1، ص 393)

(۲) رسول اللہ ﷺ کی ولادت عام الفیل کو ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔

(تاریخ ابن خلدون، ج 1، ص 710)

(۳) رسول کریم ﷺ سوموار بارہ ربیع الاول کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

(السیرۃ النبویۃ، لابن ہشام، باب ولادۃ رسول اللہ ﷺ، ص 66، دار الکتب العلمیۃ)

(۴) کثیر التعداد ذرائع سے یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ بروز دوشنبہ بارہ ربیع الاول عام الفیل کسری نوشیرواں کے دور حکومت میں تولد ہوئے۔

(محمد رسول اللہ از صادق ابراہیم العرجون، ج اول، ص 102، مطبوعہ دار القلم دمشق)

(۵) حضور ﷺ سوموار کے دن فجر کے وقت ربیع الاول کی بارہ تاریخ بمطابق 570ء کو ہوئی اہل مکہ سرکار دو عالم ﷺ کے مقام ولادت کی زیارت کے لئے اسی تاریخ 20 اگست کو جایا کرتے تھے۔ (محمد رسول اللہ از محمد رضا، ص 19، مطبوعہ دار القلم دمشق)

س:۔ میلاد منانا اور اس پر خوشی کا اظہار کرنا قرآن کریم سے ثابت کریں۔

ج:۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) اے حبیب! آپ فرمایئے یہ کتاب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی۔ پس چاہئے کہ اس پر خوشی منائیں۔ یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔ (یونس:58)

بلاشبہ حضور ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل اور تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے اس لئے ان کے میلاد کی خوشی منانا اس حکم کی تعمیل ہے۔

جب انسان کو کوئی نعمت ملتی ہے تو اس کا دل جذبات مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے وہ نعمت بھلا کون سی نعمت ہو گی جس سے دل کی دنیا مسرت کے نور سے جگمگا نہ اٹھے۔

اگر کوئی شخص ہادی انسانیت ﷺ کی ولادت باسعادت پر سچی خوشی محسوس نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی برکتوں کا اعتراف نہیں کر رہا اور جب تک ذکر حبیب کبریاء ﷺ سے دل میں خوشی کی کلیاں نہ مسکرائیں اس نعمت پر شکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

(۲) ایک اور مقام پر ارشاد الٰہی ہے:

حضرت عیسیٰ بن مریم نے عرض کی: اے اللہ! ہم سب کو پالنے والے اتار ہم پر خوان

آسمان سے بن جائے ہم سب کے لئے عید (خوشی کا دن) ہمارے اگلوں کے لئے اور ہمارے پچھلوں کے لئے بھی اور ہو جائے ایک نشانی تیری طرف سے۔ (المائدہ:114)

یعنی جس روز خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید منانا، خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا، شکر بجالانا سلف صالحین کا طریقہ ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا، میلاد شریف پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا اور اس پر فرحت وسرور کرنا مستحسن، محمود اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔

س:۔ کیا حضور اقدس ﷺ کی موجودگی میں مجلس نعت منعقد ہوئی؟

ج:۔ (۱) حضور ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد نبوی ﷺ میں منبر پر چادر بچھوائی اور انہوں نے منبر پر بیٹھ کر نعت شریف پڑھی۔ پھر حضور ﷺ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب ماجاء فی الشعر، الحدیث 5015، ج 4، ص 394)

(۲) حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ جب حضور سرکار دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک سے بخیریت واپس مدینہ طیبہ مراجعت فرما ہوئے اور مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لے گئے اور مجلس عام منعقد ہوئی تمام صحابہ کرام حاضر خدمت تھے۔ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب نے اجازت طلب کی کہ میں نے حضور ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ تحریر کیا ہے اجازت ہو تو پیش خدمت کروں؟ حضور ﷺ نے کمال شفقت سے اجازت فرمائی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قصیدہ شریف کافی لمبا ہے اس میں دو اشعار کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

(۱) جب آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو زمین روشن ہوگئی اور تمام افق آپ کے نور سے منور ہو گئے۔

(۲) اب ہم اسی نور و روشنی میں ہیں اس کی رہنمائی میں ہدایت کے راستوں پر چل رہے ہیں۔

حضور ﷺ نے خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت عباس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب انشاد العباس الخ، الحدیث 5468، ج 4، ص 391)

س:۔ حضور اقدس ﷺ کی ولادت کے وقت چراغاں کرنا کس سے ثابت ہے؟

ج:۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی میں گھر تھی میں نے دیکھا کہ گھر نور سے روشن ہو گیا اور ستارے زمین کے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ کہیں وہ مجھ پر گر نہ پڑیں۔

(خصائص الکبری باب ماظہر فی لیلۃ الخ، ج 1 ص 82 ودلائل النبوۃ للبیہقی، تزوج عبد اللہ الخ، ج 1 ص 111)

س:۔ نور کے علاوہ ولادت کے موقع پر اور کون سے عجائبات نظر آئے؟

س:۔ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے تین جھنڈے دیکھے:

ایک مشرق میں گاڑا گیا، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جھنڈا خانہ کعبہ کی چھت پر لہرا رہا تھا۔ (الوفاء باحوال المصطفیٰ ابن جوزی)

س:۔ محافل میلاد کے انعقاد کی ابتداء کب ہوئی؟

ج:۔ (ا) سب سے پہلے اربل کے بادشاہ اور مجاہد کبیر صلاح الدین ایوبی کے عزیز ملک ابو سعید مظفر الدین نے سرکاری سطح پر جشن عید میلاد النبی ﷺ منایا۔

اس زمانہ کے محدث شہیر حافظ ابن دحیہ نے اس مقصد کے لئے ایک کتاب تصنیف کی۔ اس کا نام "التنویر فی مولد البشیر النذیر" رکھا۔ ملک مظفر کے سامنے جب یہ تصنیف پیش کی گئی تو اس نے ابن دحیہ کو ایک ہزار اشرفی بطور انعام پیش کیا۔ وہ ربیع الاول شریف میں ہر سال محفل میلاد کے انعقاد کا اہتمام کرتا تھا وہ نہایت زیرک، بہادر اور مرد میدان تھا دانشور اور عدل گستر تھا اس نے 630ھ میں وفات پائی۔

(محمد رسول اللہ از محمد رضا، ص 21)

سبط ابن الجوزی اپنی تصنیف مراءۃ الزمان میں اس ضیافت کا ذکر کرتے ہیں جو ملک مظفر میلاد شریف کے موقع پر کیا کرتا تھا اور جس میں اس زمانہ کے اکابر علماء اور صوفیاء شرکت فرمایا کرتے تھے۔اس ضیافت کا یہ بیان اس آدمی کی زبانی بیان کیا گیا ہے جو اس دعوت میں شریک تھا وہ کہتا ہے: میں نے بھیڑ بکریوں کے پانچ ہزار سر، دس ہزار مرغیاں اور ایک لاکھ سکورے، حلوے کے تین ہزار طشت خود دیکھے جو علماء وفضلاء وصوفیاء اس محفل میں شرکت فرماتے ملک مظفر انہیں خلعتیں پہنا تا۔میلاد شریف کی اس تقریب پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا۔ (محمد رسول اللہ از محمد رضا، ص 21)

(۲) علامہ محمد رضا نے اپنی سیرت کی کتاب ''محمد رسول اللہ'' میں مندرجہ بالا حوالہ جات ذکر کرنے کے بعد ان پر مندرجہ ذیل اضافہ کیا جس کے خلاصہ کا ترجمہ ہدیہ قارئین ہے:

جزائر کے سلطان ابوحمو موسیٰ بڑے اہتمام اور اجلال کے ساتھ شب میلاد منایا کرتے تھے۔جس طرح مغرب کے سلاطین اور اندلس کے خلفاء اس زمانہ میں یا اس سے پہلے اس تقریب سعید کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ (محمد رسول اللہ از محمد رضا، ص 21، مطبوعہ دار الکتب بیروت)

سلطان ابوحمو موسیٰ کی ایک تقریب میلاد کا آنکھوں دیکھا حال سیدی ابوعبداللہ التنسی اپنی کتاب ''راح الارواح'' میں تحریر کیا ہے۔آپ بھی ملاحظہ کریں اپنے ایمان کو تازہ کریں۔

ابوحمو شب میلاد مصطفی ﷺ کو اپنے دار الحکومت تلمسان میں بہت بڑی دعوت کا اہتمام کرتے جس میں خاص وعام سب لوگ مدعو ہوتے تھے جلسہ گاہ میں ہر طرف قیمتی قالین بچھے ہوتے ان پر گاؤ تکیے لگے ہوتے اور بڑی بڑی شمعیں جو دور سے ستون کی طرح نظر آتی تھیں اور دستر خوان اور انگیٹھیاں جن میں خوشبو سلگ رہی ہوتی تھی۔یوں محسوس ہوتا تھا کہ خالص پگھلا ہوا سونا انڈیلا جا رہا ہے۔تمام حاضرین کو رنگ برنگے لذیذ کھانے پیش کئے جاتے۔معلوم ہوتا ہے کہ موسم بہار کے رنگین پھولوں کے دستے ہر مہمان کے سامنے سجا کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ان کی رنگت کو دیکھ کر اور ان کے کھانے کی خواہش دوبالا ہو جاتی تھی۔آنکھیں ان کی رنگینی کو دیکھ کر روشن ہوتی تھیں اور بھینی بھینی مہک مشام جان کو معطر

کر رہی ہوتی تھی۔ تمام لوگوں کو درجہ بدرجہ بٹھادیا جاتا۔ سب حاضرین کے چہروں پر وقار اور احترام کی روشنی چمک رہی ہوتی تھی۔ اس کے بعد بارگاہ رسالت ﷺ میں ہدیہ عقیدت پیش کرنے کے لئے مدحیہ قصائد پڑھے جاتے اور ایسے مواعظ اور نصائح کا سلسلہ جاری رہتا تھا جو لوگوں کو گناہوں سے برگشتہ کر کے عبادت وطاعت کی طرف راغب کرتے تھے۔ یہ سارے کام اس ترتیب سے ہوتے کہ حاضرین کو قطعاً تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا احساس نہ ہوتا تھا۔ اس روح پرور تقریب کے مختلف پروگراموں کو سن کر دلوں کو راحت نصیب ہوتی اور نفوس میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ جاتی۔

سلطان کے قریب شاہی خزانہ رکھا ہوتا جس کو ایک رنگ برنگی یمنی چادر سے ڈھانپا ہوا ہوتا۔ رات کے گھنٹوں کے برابر اس میں دروازے ہوتے جب ایک گھنٹہ گزرتا تو اس دروازے پر اتنی چوٹیں پڑتیں جتنے بجے ہوتے۔ دروازہ کھلتا اور ایک خادمہ نکلتی جس کے ہاتھ میں انعامات لینے والوں کی فہرست ہوتی۔ بادشاہ اس کے مطابق انعام تقسیم کرتا اور یہ سلسلہ صبح کی اذان تک جاری رہتا۔ (محمد رسول اللہ از محمد رضا، ص 21)

س:۔ بدعت کسے کہتے ہیں؟ آیا محفل میلاد منانا بدعت میں شمار ہوتا ہے؟

ج:۔ غور طلب امر یہ ہے کہ بدعت کا مفہوم صحیح طور پر سمجھا جائے تاکہ حق واضح ہو سکے۔

اگر بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عمل جو عہد رسالت مآب ﷺ اور عہد خلافت راشدہ میں نہ تھا اور اس کے بعد ظہور پذیر ہوا وہ بدعت ہے اور بدعت مذمومہ ہے اور اس پر عمل کرنے والا گمراہ ہے تو اس تعریف کی زد صرف محفل میلاد پر ہی نہ پڑے گی بلکہ امت کا کوئی فرد بھی اس کی زد سے نہیں بچ سکے گا۔ اس کی ایک مثال مروجہ جدید وقدیم علوم ہیں۔

(ا) یہ علوم جن کی تدریس کے لئے بڑے بڑے مدارس اور جامعات، یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں اور جن پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا جارہا ہے ان علوم میں سے بیشتر علوم وہ ہیں جن کا خیر القرون میں یا تو نام ونشان نہ تھا اور اگر تھا تو اس کی موجودہ صورت کا کہیں وجود نہ تھا۔ صرف، نحو، معانی، بلاغت، اصول فقہ، اصول حدیث وغیرہ یہ تمام علوم بعد کی پیداوار

ہیں جن علماء وفضلاء نے ان علوم کو مدون کیا اور اپنی گراں قدر زندگیاں، اپنی قیمتی صلاحیتیں اور اوقات ان کو معراج کمال تک پہنچانے کے لئے اور ان کی نوک پلک سنوارنے کے لئے صرف کئے کیا وہ سب بدعتی تھے اور اس بدعت کے ارتکاب کے سبب وہ سب ان حضرات کے فتوی کے مطابق جہنم کا ایندھن بنے۔ پھر گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلام کے دامن میں کون رہ جاتا ہے جسے جنت کا مستحق قرار دیا جائے۔

(۲) علوم قرآن وسنت وفقہ کی تدوین وترتیب ان علوم کی تدوین تو خیر القرون میں نہیں کی گئی۔ یہ بھی بعد میں آنے والے علماء وفضلاء کی شبانہ روز جگر کاویوں اور کاوشوں کا ثمر ہیں۔ پھر یہ علوم جن کا وجود ہی مجسمہ بدعت ہے کی تدریس کے لئے جو جامعات اور یونیورسٹیاں آج تک تعمیر کی گئیں یا اب بھی تعمیر کی جارہی ہیں اور ان پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا جارہا ہے کیا یہ سب تعلیمات دین کی خلاف ورزی ہے اور غضب الٰہی کو دعوت دینے کا باعث ہے۔

(۳) یہ عظیم الشان مساجد اور ان کے فلک بوس مینار اور ان کے مزین محراب، عہد رسالت ﷺ میں کہاں تھے؟ کیا ان سب کو آپ گرادینے کا حکم صادر فرمائیں گے۔

(۴) کیا آپ قامع بدعت کہلانے کے جنون میں اپنی فوج سے توپیں، ٹینک، بمبار طیارے سب چھین لیں گے اور اس کے بجائے انہیں تیر کمان دے کر میدان جنگ میں جھونک دیں گے۔

بدعت کی جو تعریف آپ نے کی ہے وہ تو ان تمام چیزوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ کیا اسلام جو دین فطرت ہے اس کی ہمہ گیر تعلیمات اور اس کی جہاں پرور روح کو آپ اپنے ذہن کے تنگ زندان میں بند کرنے کی ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع کرتے رہیں گے۔

ہم ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ علماء اسلام نے بدعت کی جو وضاحت اور تشریح کی ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس قسم کے توہمات سے انسان کو واسطہ ہی نہیں پڑتا۔ مقتدر علماء کرام فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱)واجب (۲)مستحب (۳)مکروہ (۴)مباح (۵)حرام

(۱)جس نئی چیز میں کوئی مصلحت ہوتو وہ واجب ہے۔

جیسے علوم صرف، نحو وغیرہ کی تعلیم وتدریس اور اہل باطل کا رد، اگرچہ یہ علوم عہد رسالت ﷺ میں موجود نہ تھے لیکن قرآن وسنت اور دین کو سمجھنے کے لئے اب ان کی تعلیم اور تدریس واجبات دینیہ میں سے ہے۔اسی طرح جو باطل فرقے اس زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئے تھے بلکہ بعد میں موجود ہوئے ان کی تردید آج کل کے علماء پر فرض ہے۔

(۲)وہ چیزیں جن میں لوگوں کی بھلائی بہتری اور فائدہ ہے وہ مستحب ہے۔

جیسے سراؤں کی تعمیر تاکہ مسافر وہاں آرام سے رات بسر کرسکیں یا میناروں پر چڑھ کر اذان دینا تاکہ مؤذن کی آواز دور دور تک پہنچ سکے یا عام مدارس کا قیام تاکہ علم کی روشنی ہر طرف پھیلے یہ چیزیں مستحبات ومندوبات میں شامل ہیں۔

(۳)مباح:۔جیسے کھانے پینے میں وسعت فراخی، اچھالباس پہننا، آٹا چھان کر استعمال کرنا یہ مباحات شرعیہ ہیں۔اگرچہ عہد رسالت ﷺ میں ان چھنے آٹے کی روٹی استعمال ہوتی تھی۔سرکار دوعالم ﷺ خود بھی ان چھنے آٹے کی روٹی تناول فرمایا کرتے۔ لیکن اگر کوئی شخص آٹا چھان کر روٹی پکاتا ہے تو یہ اس کے لئے مباح ہے بدعت اور گمراہی نہیں تاکہ اس کو دوزخی ہونے کی یہ حضرات بشارت سنادیں۔

(۴)وہ کام جس میں اسراف ہو وہ مکروہ ہے۔

(۵)حرام:۔وہ فعل جو کسی سنت کے خلاف ہو اور اس میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو۔

لیکن محفل میلاد کے انعقاد میں نہ کسی سنت ثابتہ کی خلاف ورزی ہے اور نہ کسی فعل حرام کا ارتکاب ہے بلکہ یہ نعمت خداوندی پر اس کا شکر ہے اور شکر ادا کرنا کثیر آیات سے ثابت ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔

(اس فضل ونعمت خداوندی پر اظہار مسرت کرنا حکم الٰہی ہے)۔

(ضیاء النبی، ج2،ص48 تا55)

س:۔ صلوٰۃ وسلام پڑھتے وقت کھڑے ہونا کیا بدعت اور گمراہی ہے؟

ج:۔ معزز و محترم آدمی کی عزت وتوقیر کرنا اور اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کا حکم احادیث طیبہ سے ثابت ہے۔ درج ذیل سطور میں اس کی تفصیلات پیش کر رہا ہوں اور صلوٰۃ وسلام جس ہستی پر پیش کیا جارہا ہے وہ روئے زمین پر سب سے اعلیٰ ہستی اور اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول ہے اس کی تعظیم وتوقیر کے لئے کھڑا نہ ہونا از حد بے ادبی اور گستاخی ہے۔

قبیلہ کے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کا فرمان نبوی ﷺ

(۱) بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں قبیلہ بنو قریظہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جب اپنا حکم اور فیصلہ کرنے والا تسلیم کر لیا تو حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوایا ابھی وہ اپنی سواری پر بیٹھے تھے کہ حضور ﷺ نے انصار کو حکم دیا کہ "قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ" اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس حدیث پاک میں نہایت صراحت سے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب اذا نزل العدو الخ، الحدیث 3043، ج 2 ص 322)

(۲) تعظیم کے لئے حضور ﷺ کا عمل

ابو داؤد میں مروی ہے کہ ایک دن حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے آپ کے رضاعی باپ یعنی حلیمہ سعدیہ کے شوہر حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے انہیں بٹھانے کے لئے اپنی چادر مبارک کا ایک کونہ بچھایا۔ پھر حضور ﷺ کی رضاعی والدہ تشریف لائیں اور ان کے لئے دوسرا کونہ بچھایا۔ پھر آپ ﷺ کا رضاعی بھائی حاضر ہوا اور حضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی بر الوالدین، الحدیث 5145، ج 4 ص 434)

(۳) فتح مکہ کے دن ابو جہل کے بیٹے عکرمہ رضی اللہ عنہ خوف کی وجہ سے یمن کی طرف بھاگ گئے تھے اسی حالت میں انہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور اسلام لائے اس کے بعد ان کی اہلیہ ان کو ہمراہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جیسے ہی حضور ﷺ نے

انہیں دیکھا جذبہ مسرت میں کھڑے ہو گئے اور ان کا استقبال کیا۔

(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، الرقم، 2261 عکرمۃ بن ابی جہل، ج 4 ص 23-24)

(۴) فتح خیبر کے دن حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس تشریف لائے تو حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال فرمایا اور فرمایا کہ میں نہیں بتا سکتا کہ جعفر کے آنے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے۔

(المرجع السابق، الرقم، 432 جعفر بن ابی طالب، ج 1، ص 429)

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت حضور میرے حجرے میں تشریف فرما تھے میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ انہیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور انہیں گلے سے لگا لیا۔

(سنن ترمذی، کتاب الاستیذان والادب، باب ماجاء فی المعانقۃ الخ، الحدیث، 2741 ج 4، ص 335)

(۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ حدیث طیبہ کے الفاظ یہ ہیں۔ قَامَ اِلَیْھَا فاخذ بیدھا و قبلھا واجلسھا فی مجلسہ (سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام، الحدیث، 5217 ج 4، ص 454)

(حضور ﷺ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے ان کا ہاتھ پکڑ کر پیشانی کو چومتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے)۔

تعظیماً کھڑے ہونے کے بارے میں صحابہ کرام کے معمول کے بارے روایات یہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اٹھنے بیٹھنے یا بات چیت اور اپنی جملہ عادات واطوار میں حضور ﷺ کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی تھیں۔ جب حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لے

جاتے تو وہ حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر کے لئے کھڑی ہو جاتیں اور حضور ﷺ کے دست مبارک کا بوسہ لیتی تھیں اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔ (المرجع السابق)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ ہم لوگوں سے بات چیت فرماتے اور سلسلہ گفتگو ختم ہو جانے کے بعد جب حضور ﷺ کھڑے ہوتے تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک حضور ﷺ اپنے دولت کدے میں داخل نہ ہو جاتے۔

(مشکل الاثار لابی جعفر طحاوی، باب بیان مشکل الخ، الحدیث ،1271 ج 1، الجزء الثانی، ص 27)

زندہ آدمی کی تعظیم کا حکم اور اس پر صحابہ کرام کا عمل آپ نے پڑھا۔

مردہ آدمی کے جنازہ کی توقیر و عظمت کے لئے بھی حضور ﷺ کا واضح اشارہ ہے۔

(۱) بخاری و مسلم اور دوسرے جلیل القدر محدثین نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْجِنَازَةَ فَقُوْمُوْا

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من تبع جنازۃ الخ، الحدیث ،1310 ج 1، ص 443)

(تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ)۔

(۲) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْجِنَازَةَ فَقُوْمُوْا لَهَا حَتّٰى يُخَلِّفَكُمْ أَوْ يُوْضَعَ

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازۃ، الحدیث 958)

(جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو جب تک کہ وہ اوجھل نہ ہو جائے یا زمین پر اتار کر رکھ نہ دیا جائے)۔

(۳) حضرت سہل بن حنیف اور حضرت سعد بن ابی قیس سے روایت ہے کہ ہم ایک دن قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کچھ لوگ ایک جنازہ لے کر ادھر سے گزرے ہم لوگ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اس پر کچھ لوگوں نے کہا: کہ یہ جنازہ غیر مسلم کا ہے ہم نے انہیں

جواب دیا کہ ایک بار حضور ﷺ کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو حضور ﷺ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ وہ جان نہیں ہے۔

(المرجع السابق، باب من قام لجنازة یہودی، الحدیث، 1312 ج 1، ص 443)

(۴) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تمہارے سامنے سے کوئی جنازہ گزرے تو اس کیلئے کھڑے ہو جایا کرو اور یہ قیام ان فرشتوں کیلئے ہے جو اس جنازہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی موسیٰ الاشعری، الحدیث، 19508 ج 7، ص 124)

اس حدیث پاک سے نہایت صراحت سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کے لئے قیام تعظیما کھڑا ہونا بھی جائز ہے۔

س:۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا کیا حکم ہے؟ قرآن کریم اور احادیث طیبہ سے واضح کریں۔

ج:۔ چند آیات واحادیث طیبہ ذکر کی جارہی ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب تک کسی کی عظمت دل میں جاگزیں نہیں ہوتی اس وقت تک ادب کا فعل اس سے صادر ہو نہیں سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی عظمت وتوقیر کو مختلف اسالیب اور پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

درج ذیل وہ آیات ذکر کی جارہی ہیں جن میں صراحۃً اہل ایمان کو نبی کریم ﷺ کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝۹ (الفتح)

(بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے والا

(عذاب سے) ہر وقت ڈرانے والا تا کہ اے لوگو! تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تا کہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو۔ اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح وشام)۔

(۲) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف)

(پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی پر) اور آپ کی تعظیم کی اور آپ کی امداد کی پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی خوش نصیب کامیاب وکامران ہیں"۔

عصمتِ انبیاء کے بارے عقیدہ

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (الفتح)

(یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی تا کہ دور فرمادے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت) سے پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت) کے بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر)۔

بظاہر اس آیت کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ غفور وغفران کا مژدہ بجا، لیکن اس سے تو ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ سے گناہوں کا صدور پہلے بھی ہوتا رہا اور بعد میں بھی ہوتا رہے گا۔ (نعوذ باللہ) حالانکہ اس عقیدہ پر امت کا اجماع ہے کہ ہر نبی خصوصاً نبی الانبیاء وسید المرسلین ﷺ معصوم ہیں حضور ﷺ کے دامن عصمت پر گناہ کا کوئی داغ نہیں ہے۔

اس شبہ کو دور کرنے کے لئے علماء تفسیر نے متعدد جوابات دیئے ہیں جن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

(۱) یہاں گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہے۔

(۲) یہاں گناہ سے مراد خلاف اولی ہے اور حسنات الابرار سیئات المقربین کے قاعدے کے مطابق خلاف اولی کو گناہ کہا جاتا ہے۔

(۳) وہ فعل اگرچہ نہ گناہ صغیرہ ہے نہ خلاف اولیٰ لیکن حضور ﷺ کی نگاہ عالی میں وہ نہیں جچا اس لئے حضور ﷺ کے مقام رفیع کے باعث اسے ذنب (گناہ) کہہ دیا گیا ہے۔

(۴) بعض علماء نے غفر کا معنی بچالینا اور محفوظ کر لینا بھی کیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ کر لیا اور معصوم رکھا ہے اس حفاظت ربانی کے باعث نہ پہلے آپ سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور نہ آئندہ کبھی کوئی گناہ سرزد ہوگا۔

(۵) بعض علماء نے یہ توجیہہ کی ہے کہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ مغفرت عامہ کی بشارت دے کر حضور ﷺ کے قلب مبارک کو مطمئن کر دیا جائے یعنی پہلے تو آپ ﷺ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی بالفرض اگر کوئی سہوا سرزد ہوگئی ہو تو بھی اس سے عفو و درگزر کا مژدہ سنایا جاتا ہے تا کہ کسی قسم کی خلش یا مواخذے کا اندیشہ نہ رہے۔

یہ سارے جوابات اپنی اپنی جگہ نہایت اہم ہیں لیکن کلام کے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھا جائے تو اس میں سے کوئی مفہوم یہاں چسپاں نہیں ہوتا۔

فتح مبین کی غرض وغایت یا اس کا نتیجہ اور انجام مغفرت بتایا گیا ہے۔ لیکن فتح اور مغفرت میں کوئی مناسبت نہیں۔ اس لئے اس آیت میں مزید غور و خوض کی ضرورت ہے تا کہ آیات کا باہمی ربط بھی واضح ہو جائے اور عصمت نبوت پر بھی کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔

ذنب کے لفظ پر اگر غور کیا جائے تو یہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

ذنب کا معنی عام طور پر گناہ کیا جاتا ہے اور الزام میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فعل اس شخص سے صادر بھی ہوا ہو بلکہ بسا اوقات بلاوجہ اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف کر دی جاتی ہے۔

اسی مادہ کے دو اور لفظ ہیں: ذنب اور ذنوب۔

ذنب کا معنی دم ہے جو جانور کے جسم کے آخر میں چمٹی ہوتی ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے جسم کا حصہ نہیں بلکہ باہر سے اس سے چمٹا دی گئی ہے اور پانی نکالنے والے ڈول کو ذنوب کہتے ہیں۔ جو رسی کے ایک سرے سے بندھا رہتا ہے۔

اسی مناسبت سے ذنب کا اطلاق الزام پر بھی ہوسکتا ہے جو کسی شخص کی طرف منسوب

کر دیا جاتا ہے خواہ اس نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

قرآن کریم میں ذنب کا لفظ الزام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو باہم لڑتے دیکھا۔ قبطی اسرائیلی کو زدوکوب کر رہا تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو انہیں مدد کے لئے پکارا آپ نے پہلے قبطی کو منع کیا کہ غریب اسرائیلی پر ظلم و زیادتی نہ کرے جب وہ باز نہ آیا اور آپ نے اسے ایک مکا دے مارا جو اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ اپنے زیر دست ساتھی کی مدد کرنا اس کے بچاؤ اور اپنے دفاع کے لئے حملہ آور کو مکا مارنا نہ شرعاً کوئی جرم ہے نہ عرف میں یہ فعل قبیح ہے۔

لیکن فرعون چونکہ آپ کا دشمن تھا اور انہیں حکومت کا باغی تصور کرتا تھا انہوں نے آپ پر قتل کا الزام رکھا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ آپ کو وہی سزا دیتا جو قتل عمد کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دعوت حق دو۔ تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۱۴﴾ (الشعراء)

(انہوں نے مجھ پر قتل کا الزام لگا رکھا ہے پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے)۔

اس آیت میں ذنب سے مراد گناہ نہیں بلکہ الزام ہے کیونکہ آپ نے اپنے اور اپنے امتی کے بچاؤ کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔ آپ کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا ہرگز نہ تھا۔ اور نہ عام طور پر مکا لگنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔

ان آیات کے سیاق و سباق کو مدنظر رکھا جائے تو یہی معنی یہاں موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ غفر کا معنی چھپا دینا، دور کر دینا۔ ماتقدم سے مراد ہجرت سے پہلے اور ماتأخر سے مراد ہجرت کے بعد۔

اے حبیب! جو الزامات کفار آپ پر ہجرت سے پہلے عائد کیا کرتے تھے اور جو الزامات ہجرت کے بعد اب تک وہ لگاتے رہے ہیں اس فتح مبین سے وہ سارے کے

سارے الزامات نیست و نابود ہوں گے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

پہلے ہم قرآن کریم اور کتب حدیث سے ان الزامات کی چھان بین کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ وضاحت کریں گے کہ وہ الزامات اس فتح مبین سے دور ہو گئے۔

ہجرت سے پہلے کفار کی طرف سے حضور سرور دو عالم ﷺ پر جو الزامات عائد کئے جاتے تھے وہ یہ ہیں: یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے یہ اوروں سے سن سن کر فسانے بنالیتا ہے۔ اسے کوئی اور پڑھاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہجرت کے بعد الزامات کی فہرست کچھ یوں ہے:

وہ کہتے یہ قوم میں اختلاف، انتشار پیدا کرنے والا ہے، اس نے جنگ کی آگ بھڑکا کر مکہ کو اجاڑ ڈالا ہے۔ بھائی کو بھائی سے، اولاد کو اپنے ماں باپ سے جدا کرنے والا ہے۔ اس نے ہمارے محفوظ تجارتی راستوں کو خطرناک بنا دیا ہے۔ ہمارے قومی انتظامات کو درہم برہم کر دیا ہے۔ وغیرہ۔

اس صلح سے پہلے مسلمان اور مشرکین کے درمیان حالت جنگ تھی۔ ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا مل بیٹھنا، تبادلہ خیال کرنا ناممکن تھا۔ حضور ﷺ کے خلاف جو بہتان اہل اغراض تراشتے سادہ لوح عوام انہیں سچ تسلیم کر لیتے اور اسلام سے کھچے کھچے رہتے۔ مسلمان صرف مدینہ طیبہ میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ ہجرت کے بعد مکے میں ان کی آمد و رفت ممنوع قرار دی گئی تھی۔ مکہ کے سردار اپنے آدمی بھیج کر بادیہ نشین قبائل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کرتے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت اور عداوت کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔ یوں عرصہ تک بدو قبائل میں تبلیغ اسلام کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

حدیبیہ کے موقع پر جو صلح ہوئی اس کی مشہور دفعات اور شرائط درج ذیل ہیں۔

(۱) فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے اور کوئی فریق خفیہ یا اعلانیہ ایسی حرکت نہ کرے گا جو امن و آشتی کو درہم برہم کر دے۔

(۲) اس عرصہ میں اگر کوئی قریشی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مکے سے بھاگ کر حضور ﷺ کے پاس چلا جائے گا تو حضور ﷺ اسے واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے دین سے مرتد ہو کر مکہ چلا جائے گا تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

(۳) عرب کے بادیہ نشین قبائل آزاد ہیں۔ مسلمان یا کفار جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔

(۴) نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کئے بغیر امسال واپس چلے جائیں گے البتہ آئندہ سال آ کر وہ عمرہ ادا کر سکیں گے انہیں تین دن تک مکے میں ٹھہرنے کی اجازت ہوگی۔ تلوار کے سوا ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہوگا اور تلوار بھی میان میں رہے گی۔

(۵) اہل مکہ ان تین دنوں میں مکہ سے باہر چلے جائیں گے لیکن جب مسلمان واپس جائیں گے تو مکہ کے کسی شخص کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔

اس معاہدہ پر سرسری نظر ڈالنے سے پہلے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے بہت دب کر صلح کی ہے اور کفار اپنی من مانی شرائط منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے لشکر اسلام کو ان شرائط کا جب علم ہوا تو انہیں بہت گراں گزرا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسی ہستی بے تاب ہو گئی۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اپنی بے چینی کا اظہار کیا اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ لَنْ أُخَالِفَ أَمْرَهٗ وَلَنْ يُّضَيِّعَنِيْ

(میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کی ہرگز مخالفت نہیں کروں گا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا)۔

اور ایسا ہی ہوا کہ اس صلح کی وجہ سے فریقین میں جنگ بند ہو گئی۔ امن قائم ہو گیا آمد و رفت کی پابندیاں ختم ہو گئیں۔ مسلمانوں کو ان الزامات کی تردید کا سنہری موقع مل گیا۔ شکوک و شبہات کی کالی گھٹائیں چھٹ گئیں۔ حقیقت اپنے روئے زیبا کے ساتھ آشکارا ہو گئی۔ غلط پراپیگنڈے کے باعث دلوں پر جما ہوا غبار دور ہو گیا اور لوگ دھڑا دھڑ اسلام

اسلام کو قبول کرنے لگے۔ چنانچہ اس واقعہ کے صرف دو سال بعد حضور ﷺ فتح مکہ کی مہم کے لئے روانہ ہوئے تو دس ہزار جانباز اور سرفروش غلاموں کا لشکر جرار ہمرکاب تھا۔

ایصال ثواب ضیاء القرآن کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ (النحل)

(اس نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت۔ پس جو مجبور ہو جائے (ان کے کھانے پر بشرطیکہ) وہ لذت کا جو یا، نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو (تو کوئی حرج نہیں) بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے)۔

یہ آیت اس سے پہلے تین مرتبہ گزر چکی ہے اب چوتھی اور آخری بار یہاں مذکور ہے اس آیت کا یہ حصہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے کیونکہ اس کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کے باعث ملت اسلامیہ میں افتراق وانتشار کا دروازہ کھل گیا ہے اور ایک فریق دوسرے فریق کو کافر و مرتد کہنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اور بڑی شد و مد سے ان تمام جانوروں کو حرام و مردار کہتا ہے۔ جنہیں کسی بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کے لئے ذبح کیا گیا ہو خواہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ہی لیا گیا ہو۔

آیئے! اس آیت کریمہ کو اپنی آراء واھواء کا اکھاڑہ نہ بنائیں بلکہ اسے سنت نبوی ﷺ اور لغت عرب کی روشنی میں سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کریں تا کہ حقیقت عیاں ہو سکے اور باہمی اختلافات ومنافرت کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر قابو پایا جا سکے۔ (وباللہ التوفیق)

آیت کا جو مفہوم سلف صالحین اور علماء ومتقدمین نے خود سمجھا اور ہمیں سمجھایا ہے وہ تو یہ ہے کہ اگر کسی جانور کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ جانور حرام ہے۔ جس طرح مشرکین باسم اللات والعزی کہہ کر جانوروں کو ذبح کیا کرتے تھے۔

امام ابوبکر الجصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر احکام القرآن میں اس آیت

کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الذَّبِيْحَةُ اِذَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ عِنْدَ الذَّبْحِ

(تفسیر احکام القرآن، تحت آیۃ 173، البقرہ، ج 1، ص 176)

(سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے)۔

بیضاوی، قرطبی، رازی اور دیگر مفسرین اسلاف نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے:

لیکن علماء متاخرین میں سے بعض لوگوں نے اسلاف اور قدماء مفسرین کی متفقہ رائے سے اختلاف کیا اور اس آیت سے ایک نیا مفہوم اخذ کیا جس سے تکفیر کا دروازہ کھل گیا۔ غیروں کو اپنا بنانے کی توفیق سے جو لوگ محروم تھے انہوں نے اپنوں کو بیگانہ بنانے کا شغل اختیار فرمایا اور اس فن میں وہ جدت طرازیاں اور موشگافیاں کیں کہ عقل دنگ رہ گئی اور دل لرز اٹھے۔

آیئے پہلے ان کے دلائل کو سنئے تاکہ ان کی اس غلط فہمی کا ماخذ آپ کو معلوم ہو جائے۔ پھر ان میں غور فرمایئے ان دلائل کی بے سروپائی آپ پر واضح ہو جائے گی۔

وہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام لے دیا جائے وہ اس غیر کے نام سے مشہور ہو جائے تو ایسے جانور کو اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بھی ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوگا بلکہ حرام ہوگا جس طرح کتے اور خنزیر کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ ناپاک ہی رہتا ہے۔

وہ اپنے اس مفہوم کی تائید کے لئے کہتے ہیں کہ لغت ہائے عرب اور عرف میں اُھل کا معنی ذبح کرنا نہیں ہے۔ کوئی شعر کوئی عبارت ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں کسی فصیح وبلیغ نے اُھل کا معنی ذبح کرنے میں استعمال کیا ہو۔ بلکہ اہل لغت کے نزدیک اُھل کا معنی آواز بلند کرنا ہے اور کسی چیز کو شہرت دینا ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر مان لیا جائے کہ اُھل کا معنی ذبح کرنا ہے تو بھی آیت کا یہ معنی

ہوگا کہ وہ جانور جسے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے اور اس کا جو معنی تم کرتے ہو کہ وہ جانور جسے غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے یہ تو کسی طرح مراد نہیں ہوسکتا۔ اس لئے آیت کا جو معنی تم نے کیا ہے وہ صراحۃ تحریف آیت ہے۔

یہ ان کا استدلال ہے جو آپ نے پڑھ لیا۔

اب ہم بصد ادب ان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اُھل کا معنی اگر وہ لیا جائے جو تم نے لیا ہے کہ آواز بلند کرنا یا شہرت دینا تو چاہیئے یہ کہ تمام ایسے جانور جن پر غیر اللہ کا نام لے دیا جائے یا انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے نامزد کر دیا جائے تو وہ ابدی حرام ہوجائیں۔ اور اگر تکبیر پڑھ کر ان کے گلے پر چھری پھیری جائے تب بھی وہ حلال نہ ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ بحیرہ، سائبہ وغیرہ جانور وہ اپنے بتوں کے لئے نذر مانتے تھے اور ان سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا اپنے اوپر حرام کردیتے تھے حالانکہ اگر کوئی مسلمان ان کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو وہ حلال ہیں۔ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر نامزد بھی کیا گیا انہیں کے نام وہ مشہور ہوئے حالانکہ اگر انہیں تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو وہ اس کے باوجود حلال ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں صراحۃً مرقوم ہے کہ اگر کسی مجوسی نے اپنے آتشکدہ کے لئے یا کسی مشرک نے اپنے باطل خداؤں کے لئے کسی جانور کو نامزد کیا اور کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسے ذبح کردیا تو اسے کھایا جائے گا۔ کیونکہ مسلمان نے اسے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الذبائح، الباب الاول فی رکنہ الخ، ج 5، ص 286)

تو اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ کسی چیز پر محض غیر اللہ کا نام لے دینے سے وہ حرام نہیں ہوجاتی۔

نیز ان کا یہ دعوی کرنا کہ اُھل کا لفظ ذبح کے معنی میں لغۃ اور عرفا مستعمل نہیں ہوتا۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ فصاحت وبلاغت کے امام حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اُھل کا معنی ذبح کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے اور آپ کا قول بلا اختلاف حجت اور سند ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا سَمِعْتُمُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُهِلُّوْنَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَلَا تَاْکُلُوْا وَاِذَا لَمْ تَسْمَعُوْهُمْ فَکُلُوْا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَلَّ ذَبَائِحَهُمْ وَهُوَ یَعْلَمُ مَا یَقُوْلُوْنَ

(تفسیر احکام القرآن، تحت آیۃ 173، البقرۃ، ج 1، ص 176)

(جب تم سنو کہ یہود ونصاریٰ غیر خدا کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں تو ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ اور اگر نہ سنو تو کھالو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحہ کو حلال کیا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں)۔

آپ کے اِس قول میں یھلون بمعنی یذبحون مستعمل ہے۔ اس لئے ان کا یہ کہنا کہ اُھل لفظ ذبح کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا صحیح نہ ہوا۔

قدماء مفسرین نے بھی اُھل کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُھل کا لغوی معنی تو آواز بلند کرنا ہے لیکن اب عرف میں یہ ذبح کرنے کے معنی میں ہے یا ذبح کے وقت آواز بلند کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی لغت کے امام اصمعی سے لفظ اُھل کی تحقیق نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

قَالَ الْاَصْمَعِیُّ اَلْاِهْلَالُ اَصْلُهٗ رَفْعُ الصَّوْتِ فَکُلُّ رَافِعٍ صَوْتَهٗ فَهُوَ مُهِلٌّ ـــ وَهٰذَا مَعْنَی الْاِهْلَالِ فِی اللُّغَةِ ثُمَّ قِیْلَ لِلْمُحْرِمِ مُهِلٌّ لِرَفْعِهِ الصَّوْتَ بِالتَّلْبِیَةِ عِنْدَ الْاِحْرَامِ ـــ وَالذَّابِحُ مُهِلٌّ لِاَنَّ الْعَرَبَ کَانَ یُسَمُّوْنَ الْاَوْثَانَ عِنْدَ الذَّبْحِ وَیَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ بِذِکْرِهَا۔

(اصمعی نے کہا: کہ اھلال۔ اصل میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں تو ہر آواز بلند کرنے والا مہل کہلائے گا۔ یہ اھلال کا لغوی معنیٰ ہے۔ پھر محرم کو بھی مھل کہتے ہیں کیونکہ احرام باندھتے وقت وہ بلند آواز سے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) کہتا ہے اور ذبح کرنے والے کو بھی مھل کہتے ہیں کیونکہ مشرکین عرب جانوروں کو ذبح کرتے وقت بلند آواز سے اپنے بتوں کا نام لیا کرتے تھے۔ (التفسیر الکبیر للامام رازی، تحت آیۃ 173، البقرۃ، ج 2، ص 192)

علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور اپنی لغت کی شہرہ آفاق کتاب لسان العرب میں اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واصل الإهلال رفع الصوت ،وكل رافع صوته فهو مهل وكذلك قوله عزوجل وما أهل لغير الله به هو ما ذبح للالهة وذلك لأن الذابح كان يسميها عند الذبح فذلك هو الإهلال۔

(لسان العرب، حرف ہلل، ج 2، ص 4152)

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:

اصل الاهلال رفع الصوت ۔۔۔حتی قیل لکل ذابح مهل وان لم يجهر بالتسمية۔ (تفسیر خازن، تحت آیۃ 173، البقرہ، ج 1، ص 112)

(اھلال کا لغوی معنی آواز بلند کرنا ہے یہاں تک کہ ذبح کرنے والے کو مھل کہا جانے لگا۔ اگرچہ وہ بلند آواز سے تکبیر نہ بھی کہے)۔

علامہ سیوطی نے حضرت ابن عباس سے اھل کا معنی ذبح نقل کیا ہے۔

(الدر المنثور، تحت آیۃ 173، البقرہ، ج 1، ص 407 وتفسیر ابن عباس، تحت آیۃ 173، البقرہ، ص 29، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام تفسیر مجاہد نے ما أھل کا معنی ما ذبح لغیر اللہ کیا ہے۔

(الدر المنثور، تحت آیۃ 173، البقرہ، ج 1، ص 407)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

قال الربيع بن انس يعنى ما ذكر عند ذبحه اسم غير الله والإهلال ۔۔۔حتی قیل لکل ذابح مهل وان لم يجهر مهل۔

(تفسیر مظہری مترجم، تحت آیۃ 173، البقرہ، ج 1، ص 272، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

ازراہ اختصار ان چند حوالوں پر اکتفا کیا جارہا ہے ورنہ بے شمار حوالے پیش کئے جاسکتے

ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اھل کا معنی ذبح مستعمل ہوتا رہتا ہے۔

ان انگنت اور واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ اھل ذبح کے معنی میں نہ لغتہ استعمال ہوتا ہے اور نہ عرفا۔ یہ حق وانصاف سے اعراض کرنا ہے۔

نیز ان صاحبان کا یہ کہنا کہ ما اُھل بہ لغیر اللہ بہ کا یہ معنی بیان کرنا کہ غیر اللہ کے نام سے کسی جانور کو ذبح کرنا تحریف ہے۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ علامہ نووی شارح مسلم نے حدیث شریف کے ان الفاظ: لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا یہ معنی کیا ہے کہ اما الذبح لغیر اللہ ان یذبح باسم غیر اللہ۔

(شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللہ، ج 7، الجز الثالث عشر، ص 141)

(جس کو اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی اور نام سے ذبح کیا جائے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے فارسی ترجمہ قرآن میں اس آیت کا یہی معنی کیا ہے۔

"وآنچہ ذکر کردہ شد بنام غیر خدا بر ذبح وے"

یعنی ذبح کے وقت جس پر غیر خدا کا نام ذکر کیا جائے۔

کیا اس تحریف کا الزام یہ حضرات آپ پر بھی عائد کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آیت کا معنی وہی ہے جو علامہ ابو بکر جصاص نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جو ابتداء بحث میں نقل ہو چکا ہے۔

سنن ابی داؤد کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ نے حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق اپنی والدہ کے لئے جو کنواں کھدوایا تھا اس کا نام ہی بئر ام سعد رکھا گیا تھا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی فضل سقی الماء، الحدیث 1681، ج 2، ص 180) یعنی سعد کی ماں کا کنواں اگر کسی غیر کا صرف نام لے دینے سے کوئی چیز ناپاک ہو جاتی تو اس کنویں کا پانی بھی ناپاک ہو جاتا۔ اسے پینا، اس سے وضو اور غسل کرنا اور اس سے کپڑے دھونا سب ممنوع قرار پاتا۔

حضور رحمت عالمیان ﷺ ہر سال ایک دنبہ اپنی طرف سے قربانی دیا کرتے تھے اور دوسرا دنبہ امت کی طرف سے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ، الحدیث 3122، ج3، ص528)

نذر و نیاز و ایصال ثواب کی شرعی حیثیت

کئی لوگ کسی ولی کے نام کی نذر مانتے ہیں کیا اس طرح وہ چیز حرام ہو جاتی ہے یا نہیں؟

اس کے متعلق مختصر اعرض ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں:

(۱) شرعی (۲) عرفی

نذر شرعی عبادت ہے اور عبادت کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں اس لئے شرعی معنی میں تو نذر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی نذر ماننا شرک ہے۔

لیکن عرف عام میں نذر عبادت کے معنی میں استعمال نہیں ہوتی بلکہ نیاز کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اور یہ شرک نہیں۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد بزرگوار حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے فتاوی میں یہ عبارت نقل کرتے ہیں وہی عبارت آپ کی خدمت میں بعینہ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ امید ہے یہ گتھی بھی سلجھ جائے گی۔

لیکن حقیقت ایں نذر آنست کہ اہداء ثواب طعام و انفاق و بذل مال بروح میت کہ امر ایست مسنون و از روئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ما ورد فی الصحیحین من حال ام سعد وغیرہ ایں نذر مستلزم می شود پس حال نذر آنست کہ اہداء ثواب ہذا القدر الی روح فلان و ذکر ولی برائے تعین عمل منذور است نہ برائے مصرف۔ ومصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلاں آں ولی مے باشند از اقارب و خدم و ہمطریقان و امثال ذلک۔ وہمیں است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ (وحکمہ انہ صحیح یجب الوفاء بہ لانہ قربۃ معتبرۃ فی الشرع)۔

(فتاوی عزیزی، ج1، ص121، مطبوعہ دیوبند)

(اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ اس طعام وغیرہ کا ثواب میت کی روح کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ امر مسنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسے حضرت سعد کی والدہ کے کنوئیں کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے پس اس نذر کا حاصل یہ ہے کہ اس طعام وغیرہ کا ثواب فلاں ولی کو پہنچے نذر میں ولی کا ذکر اس لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ اس نذر کا مصرف ہے اس کا مصرف تو اس ولی کے قریبی رشتہ دار خدام درگاہ اور ہم مشرب لوگ ہوتے ہیں ولی کا نام صرف اس عمل کو متعین کرنے کے لئے لیا جاتا ہے نذر کرنے والوں کا بلاشبہ مقصد یہی ہوا کرتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر صحیح ہے اس کو پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ ایسی اطاعت ہے جو شرعاً معتبر ہے)۔

حضرت حکیم الامت کی اس ایمان افروز وضاحت کے بعد کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا اگرچہ مزید کسی قسم کی تشریح کی ضرورت نہیں لیکن محض مزید اطمینان کے لئے ایک دو حوالے اور پیش خدمت ہیں:

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی عزیزیہ میں لکھتے ہیں:

"اگر مالیدہ وشیر برنج برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پختہ بخورانند مضائقہ نیست جائز است"۔

(اگر مالیدہ اور دودھ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے پکا کر کھلائیں تو کچھ مضائقہ نہیں جائز ہے)۔ (فتاویٰ عزیزیہ، جزء 1، ص 39)

اس صفحہ پر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء را ہم خوردن جائز است واللہ اعلم۔

(اگر کسی بزرگ کے نام فاتحہ دی گئی تو مالداروں کو بھی اس کے لئے کھانا جائز ہے)۔

حضرت شاہ صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و برآں فاتحہ وقل و درود خوانند تبرک میشود خوردن بسیار خوب است"۔ (المرجع السابق، ج 1، ص 71)

وہ کھانا جس کا ثواب حسنین کریمین کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے وہ تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔

شاہ اسماعیل دہلوی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے:

''پس درخوبی ایں قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ ہا واعراس ونذر ونیاز اموات شک وشبہ نیست''۔ (صراط مستقیم، ص55)

اب فاتحہ خوانی کا طریقہ بھی شاہ اسماعیل دہلوی کے الفاظ میں سن لیجئے۔

''اول طالب را باید کہ باوضو دوزانو بطور نماز بنشیند، وفاتحہ بنام اکابر ایں طریق یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری وحضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما خواندہ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط ایں بزرگاں نماید وبنیاز تمام وزاری بسیار دعائے کشود کار خود کردہ ذکر دوضربی شروع نماید''۔ (صراط مستقیم، ص111 فخر المطابع)

(یعنی پہلے طالب کو چاہئے کہ وضو کرے اور نماز کے طریقہ پر دوزانو ہو کر بیٹھے اور اس طریقہ کے اکابر یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما کے نام کا فاتحہ پڑھے۔ اور پھر درگاہ الٰہی میں ان بزرگوں کے وسیلہ سے التجاء کرے اور انتہائی عجز ونیاز اور کمال تضرع وزاری کے ساتھ اپنے حل مشکل کی دعا کر کے دوضربی ذکر شروع کرے)۔

البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام لے کر جانور ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حرام ہوگا اور ذبح کرنے والا مشرک ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے ذہن میں ایصال ثواب کا تصور تک نہیں بلکہ کسی ولی یا نبی کے لئے محض اس جانور کا خون بہانے یعنی (اراقۃ الدم) کو ہی وہ درجہ قربت سمجھ کر ذبح کرتا ہے تب بھی وہ جانور حرام ہوگا کیونکہ جان کا مالک وہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے جان کو پیدا کیا اس لئے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کی چیز کو کسی کے لئے قربان کرے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی عزیزیہ میں متعدد بار اس

مسئلہ کی تحقیق فرمائی ہے اور ایسے جانور کی حلت وحرمت کا فیصلہ کرنے کے لئے یہی معیار مقرر فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں:

فمتی کان اراقۃ الدم للتقرب الی غیر اللہ حرمت الذبیحۃ ومتی کان اراقۃ الدم للہ تعالیٰ والتقرب الی الغیر بالاکل. والانتفاع حلت الذبیحۃ لان الذبح عبارۃ عن الاراقۃ لاعن المذبوح ای الذی یحصل بعد الذبح من اللحم والشحم وعلی ھذا قلنا لو اشتری لحما من السوق او ذبح بقرۃ أو شاۃ لاجل ان یطبخ مرقا او طعاما لیطعم الفقراء ویجعل ثوابھا لروح فلان حلت بلا شبھۃ۔ (فتاوی عزیزیہ، ج 1، ص 47)

(یعنی اگر کسی جانور کا خون اس لئے بہایا جائے کہ اس خون بہانے سے غیر کا تقرب حاصل ہو تو وہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا اور اگر خون اللہ تعالیٰ کے لئے بہایا جائے اور اس کے کھانے اور اس سے نفع حاصل کرنے سے کسی غیر کا تقرب مقصود ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا کیونکہ ذبح کا معنی خون بہانا ہے نہ وہ جانور جسے ذبح کیا گیا۔ اسی لئے ہم نے کہا کہ اگر کسی نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے یا بکری ذبح کی تاکہ اسے پکا کر فقیروں کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی روح کو پہنچائے تو یہ گوشت (گائے بکری) بلاشبہ حلال ہوگی)۔

میں علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان نہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے سوا کسی کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور نہ وہ محض اراقۃ الدم (خون بہانے) کو وجہ تقرب سمجھتے ہیں بلکہ ان کے پیش نظر صرف ایصال ثواب ہوتا ہے۔ بفرض محال اگر کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو اسے فوراً تائب ہونا چاہئے۔ مبادا اس گمراہی پر اس کی موت آجائے نیز ان لوگوں کو بھی خدا کا خوف کرنا چاہئے جو ہر مسلمان پر بلاامتیاز شرک وکفر کا فتوی جڑ دیتے ہیں اور اس کو اپنی سستی شہرت کے حصول کا آسان اور مؤثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

ایصال ثواب کی تفصیل ایک اور آیت طیبہ کے ضمن میں بھی حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ

علیہ نے تحریر فرمائی ہے اس مناسبت سے اس آیت طیبہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ (النجم)

(اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ اس کو اس کی کوشش کا نتیجہ جلد نظر آجائے گا)۔

یہ حکم صحف موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام میں بھی موجود تھا اور شریعت اسلامیہ میں بھی یہ قانون باقی ہے لیکن بعض کج فہموں نے اس آیت کو ایسے معانی پہنائے جن سے متعدد دوسری آیات کی تردید و تکذیب ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیں بڑے اطمینان سے ان باطل معانی کا جائزہ لینا چاہئے اور اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ یہ طریقہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں کہ ایک آیت کی ایسی من مانی تشریح کی جائے جس سے متعدد آیات کی تغلیط ہوتی ہے۔

اشتراکی ذہنیت رکھنے والے جو محنت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ ہر انسان صرف اسی چیز کا حقدار ہے جو اس نے اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کی ہو اور اپنے اس نظریہ کو قرآن کریم کی اس آیت کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہمیں ان سے کسی بحث کی ضرورت نہ تھی۔ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق جس نظریہ کو اپنانا چاہے ہمیں اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ لیکن اپنے من گھڑت نظریات کو قرآن کی طرف منسوب کرنا ایک ایسی زیادتی ہے جس پر خاموش رہنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔

ہم ان صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن کریم کی متعدد آیات میں میراث کے احکام مذکور نہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد اولاد کو جو جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ ورثہ میں ملتی ہے کیا اس میں ان کی محنت و کوشش کا کوئی دخل ہے۔ ایسی جائیداد کا قرآن کریم نے انہیں کامل مالک ٹھہرایا ہے۔ خصوصاً بچیاں یا شیر خوار بچے جنہوں نے کسی طرح بھی اس جائیداد کے بنانے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ وہ بھی وارث ہوتے ہیں اس کے علاوہ زکوٰۃ، صدقات

جب کوئی شخص کسی مستحق کو دیتا ہے تو مستحق اس کا مالک بن جاتا ہے اس میں ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے حالانکہ اس نے اس مال کے کمانے میں ایک قدم تک نہیں اٹھایا۔ آیت کا یہ خود ساختہ مفہوم اختیار کر کے یہ لوگ ان صدہا آیات پر قلم تنسیخ پھیر دیں گے جن میں میراث وصیت زکوۃ، صدقات اور ہبہ کے احکام مذکور ہیں۔

ان اشتراکی اذہان کے علاوہ ایک اور فرقہ گزرا ہے جو تاریخ اسلام میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کسی کے عمل کا ثواب کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شخص کو انہی اعمال کا اجر ملے گا جو اس نے خود کئے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت میں تصریح کی گئی۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾

(کہ نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے)۔

ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کسی کا عمل کسی کے لئے نفع بخش نہیں ہے تو قرآن کریم کی متعدد آیات میں مسلمانوں کے لئے استفادہ کا حکم دیا گیا ہے اور متعدد آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتے مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ کئی ایسی آیات ہیں جن میں انبیاء نے اپنے والدین، اپنی اولاد اور مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بخشش کی دعائیں مانگی ہیں۔ اگر استغفار اور دعاؤں کا میت کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تو پھر ان لا حاصل کاموں میں انبیاء اور ملائکہ کیوں وقت ضائع کرتے رہے اور ہمیں مسلمان بھائیوں کے لئے دعائے مغفرت کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟

ساری امت مسلمہ نماز جنازہ ادا کرتی ہے اس میں کسی فرقہ کی تخصیص نہیں یہ نماز جنازہ بھی دعائے مغفرت ہے اگر یہ بے سود اور لا حاصل ہے تو اس تکلف کو بجالانے کا اسلام نے کیوں حکم دیا۔

معتزلہ کے اس مفہوم کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو قرآن کریم کی کثیر التعداد آیات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لئے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہم اپنے اعمال کا ثواب

اپنے والدین اور دوسرے مومنین کو پہنچا سکتے ہیں اور اس سے انہیں فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اصولی طور پر تمام علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ تفصیلات میں کچھ اختلافات ہے جن کا خلاصہ پیش نظر ہے۔

عبادات کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) خالص بدنی عبادات مثلاً نماز روزہ، تلاوت قرآن حکیم۔

(۲) خالص مالی عبادات جیسے صدقات وغیرہ۔

(۳) مالی اور بدنی عبادات کا مرکب جیسے حج وغیرہ۔

امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا البتہ عبادات کی دوسری قسموں کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔

لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے خواہ اس نیک عمل کا تعلق عبادت کی کسی قسم سے ہو مثلاً نماز، روزہ، ذکر، تلاوت، قرآن کریم، صدقہ، حج وغیرہ۔ جو نیک عمل بھی وہ کرے اس کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرسکتا ہے کہ الٰہی اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا اس بارے میں اتنی کثرت سے صحیح احادیث موجود ہیں کہ کوئی مسلمان ان کے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ یہاں ہم ان میں سے چند احادیث ہدیہ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ (۱) صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ (۲) عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَهٗ۔

(صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان الخ، الحدیث (14-1631) ص886)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے بجز تین اعمال کے کہ ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا)۔

(۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے

دعا کرے۔

پہلے دو کام تو ایسے ہیں جن میں اس شخص کا بھی کچھ عمل دخل ہے لیکن لڑکے کی دعا لڑکے کا اپنا فعل ہے اس سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ وَیَقُوْلُ یَا رَبِّ اَنّٰی لِیْ هٰذِهٖ فَیَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ۔ (المسند للامام احمد بن حنبل، المسند ابی ہریرۃ، الحدیث 10615، ج 3، ص 584)

(حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں کسی عبد صالح کے درجے کو بلند فرماتا ہے وہ بندہ پوچھتا ہے یا رب! میرا درجہ کیسے بلند ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرے لڑکے نے تیرے لئے استغفار کی اس کی برکت سے تیرا درجہ بلند ہوا)۔

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ فَالْمَیِّتُ فِیْ قَبْرِهٖ الشِّبْهُ الْغَرِیْقُ الْمُتَغَوِّثُ یَنْتَظِرُ دَعْوَةً مُلْحَقَةً مِنْ اَبٍ وَاُمٍّ اَوْ وَلَدٍ اَوْ صَدِیْقٍ ثِقَةٍ وَاِذَا اَلْحَقَتْهُ كَانَتْ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَیُدْخِلُ عَلَى الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اِمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِیَّةَ الْاَحْیَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ۔ اَلْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ (رواہ البیہقی والدیلمی)

(نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے جو فریاد کر رہا ہوتا ہے اور اس چیز کا منتظر ہوتا ہے کہ اس کے باپ، اس کی ماں یا لڑکے یا باوفا دوست کی دعا اسے پہنچے اور جب وہ دعا اسے پہنچتی ہے تو اس کی قدر و منزلت اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں کی برکت سے قبروں پر رحمت کے پہاڑ بھیجتا ہے اور مرے ہوؤں کے لئے دوستوں کا تحفہ یہ ہے کہ وہ ان کے لئے دعائے مغفرت کیا کریں)۔

(۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اُمِّیَ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوْصِ وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ اَفَلَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ۔

(صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب وصول الثواب الصدقات، الحدیث (12-1004) ص 886)

(ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میری ماں اچانک فوت ہوگئی اور کوئی وصیت نہ کرسکی میرا خیال ہے کہ اگر اسے بولنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتیں۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے اس کا اجر ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک)۔

(۵) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنِ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ فَاَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اُمِّي توفيت وَاَنَا غَائِبٌ ۔ فَهَلْ يَنْفَعُهَا شیءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا۔ قَالَ نَعَمْ وَقَالَ اَنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِيَ المخراف صَدَقَةٌ عَنْهَا۔ (صحیح بخاری ، کتاب الوصایا، باب الاشہاد فی الوقف والصدقۃ، الحدیث ،2762ج2،ص241)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی تو آپ موجود نہ تھے۔ جب واپس آئے تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گزارش کی یارسول اللہ ﷺ میری والدہ نے میری غیر حاضری میں وفات پائی اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے کوئی نفع پہنچے گا؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کی حضور ﷺ گواہ رہیں میں نے اپنا باغ اس کی طرف سے صدقہ کیا۔

(۶) عَنْ انس سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقول مَامِنْ اَهْلِ بَيْتٍ يَمُوْتُ مِنْهُمْ وَ فَيَتَصَدَّقُوْنَ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهِ اِلَّا اهداها اليه جِبْرَئِيْلُ عَلَى طَبَقٍ مِنْ نُوْرٍ ثم يَقِفُ عَلَى شَفِيْرِ الْقَبْرِ وَيَقُوْلُ يَاصَاحِبَ الْقَبْرِ الْعَمِيْقِ هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اَهْدَاهَا اِلَيْكَ اَهْلُكَ فَاقْبَلْهَا فَيَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَفْرَحُ بِهَا وَيَسْتَبْشِرُ وَيَحْزَنُ جِيْرَانُهُ الَّذِيْنَ لَا يُهْدِىْ اِلَيْهِمْ بِشَیْءٍ۔

(المعجم الاوسط، الحدیث ،6504ج5،ص37)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کسی گھر سے فوت ہوتا ہے اور گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو جبرائیل امین نور کے تھال پر اسے رکھتے ہیں پھر اس کی قبر کے دہانے پر کھڑے ہوکر کہتے ہیں اے گہری قبر کے رہنے والے! یہ ہدیہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تیری طرف بھیجا ہے تو اسے قبول کر اس کی خوشی و مسرت کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے پڑوسی جن کی طرف

کوئی ہدیہ نہیں بھیجا جاتا وہ بڑے غمناک ہوتے ہیں۔

(۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ أَبِي مَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ فَقَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ عَلَى أَبِيكَ دَيْنٌ كُنْتَ تَقْضِيهِ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّهُ دَيْنٌ عَلَيْهِ فَاقْضِيهِ۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، الحدیث 748، ج1، ص 258، وشرح الصدور، باب ما ینفع المیت فی قبرہ، ص 308)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا حضور ﷺ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہاں ادا کرتا حضور ﷺ نے فرمایا: یہ حج بھی اس پر قرض ہے اس کو ادا کرو)۔

(۸) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَنْ مَرَّ عَلَى الْمَقَابِرِ وَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ أَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً وَوَهَبَ أَجْرَهُ لِلْأَمْوَاتِ أُعْطِيَ مِنَ الْأَجْرِ بِعَدَدِ الْأَمْوَاتِ۔

(شرح الصدور باب فی قراءۃ القرآن، ص 311)

(ابو محمد سمرقندی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے یہ حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ جو شخص قبرستان میں سے گزرے اور گیارہ بار قل شریف پڑھ کر اہل قبرستان کو بخشے تو جتنے لوگ وہاں دفن ہوں گے ان کی تعداد کے برابر اسے ثواب ملے گا)۔

(۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَأَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ثُمَّ قَالَ إِنِّي جَعَلْتُ ثَوَابَ مَا قَرَأْتُ مِنْ كَلَامِكَ لِأَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَانُوا شُفَعَاءَ لَهُ إِلَى اللهِ تَعَالَى۔ (المرجع السابق)

(ابو القاسم سعد بن علی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۃ فاتحہ، قل شریف اور الھاکم التکاثر پڑھے پھر یہ کہے کہ الٰہی میں نے تیرے کلام سے جو پڑھا ہے اس کا ثواب اس مقبرہ کے

مومن مردوں اور عورتوں کو بخشتا ہوں تو یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی شفاعت کریں گے)۔

(۱۰) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ الْمَقْبَرَةَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ يٰسِيْنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (شرح الصدور، باب فی قراءۃ القرآن للمیت الخ، ص 312)

(حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہوتا ہے اور سورۃ یاسین پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل قبور پر تخفیف کر دیتا ہے)۔

کثیر التعداد احادیث میں سے یہ چند مرفوع احادیث ہیں جو اوپر نقل کی گئی ہیں۔ صحابہ کرام کا بھی اس پر تعامل تھا۔

حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد آپ کو ایصال ثواب کرنے کے لئے غلام آزاد کیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمن وفات پا گئے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کے لئے غلام آزاد کیا اور فرمایا مجھے امید ہے کہ وفات کے بعد یہ چیز انہیں نفع پہنچائے گی۔ (شرح الصدر، باب ما ینفع المیت فی قبرہ، ص 309)

مسلمانوں کا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے وفات پانے والوں کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

قَالَ الحافظ شمس الدين بن عبد الواحد، فانه الوافى كل مصر يجتمعون ويقرؤن لموتاهم من غير نكير فكان ذلك اجماعا۔

(تفسیر مظہری مترجم، النجم، آیۃ 39، ج9، ص 187-188)

(حافظ شمس الدین عبدالواحد کہتے ہیں ہر شہر میں مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے فوت شدگان کے لئے قرآن کریم کی قرأت کرتے ہیں اور کبھی کسی عالم نے اس پر اعتراض نہیں کیا گویا اس پر امت کا اجماع ہے)۔

(۱۱) اخرج الخلالی عن الشعبی كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اخْتَلَفُوْا اِلٰى

قَبْرِهٖ یَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۔(شرح الصدور، باب فی قراءۃ القرآن للمیت، ص 311)

(امام شعبی سے مروی ہے کہ انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو وہ اس کی قبر پر جایا کرتے اور وہاں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے)۔

(۱۲)وفی الاحیاء عن احمد بن حنبل قال اذا دخلتم من مقابر فاقرؤا بفاتحۃ الکتاب والمعوذتین وقل ھو اللہ أحد واجعلوا ذلك لاھل المقابر فانه یصل الیھم۔

(احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت، باب السادس، بیان زیارۃ القبور، ج5، ص245)

(امام احمد بن حنبل نے فرمایا: جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۃ فاتحہ، تینوں قل شریف پڑھو پھر اس کا ثواب قبرستان والوں کو پہنچاؤ وہ انہیں پہنچے گا)۔

جب اس کثرت سے ایصال ثواب کے بارے میں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کا انکار کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

(یہاں اس آیت کی تشریح میں ایصال ثواب کے بارے میں جو احادیث طیبہ درج کی گئی ہیں اور جو آثار نقل کئے گئے ہیں وہ تفسیر مظہری سے ماخوذ ہیں)

لیکن آیت طیبہ کے بارے میں کیا کہا جائے گا کہ حضرت ابن عباس کا ارشاد یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ۔

(جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہی تو ہم مدارج ومراتب میں ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آباء واجداد کی نیکیاں اولاد کے مراتب کو بلند کر دیتی ہیں۔

بعض نے اس آیت کی یہ توجیہہ کی ہے کہ یہاں الانسان سے مراد کافر ہے کہ کفار کو کسی کی نیکیاں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔

لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو الجھن خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایصال ثواب سے صرف اس شخص کو نفع پہنچتا ہے جو ایمان کی حالت میں فوت ہوا کہ یہ سارے اعمال صالحہ جن کا ثواب ایک مومن کو پہنچایا جا رہا ہے۔ درحقیقت اس کے ایمان کے درخت کا پھل ہے اور ایمان کا درخت اس شخص کی اپنی سعی کا نتیجہ ہے۔ گویا یہ ساری چیزیں اس کی ذاتی کوشش میں شمار ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کے درخت کی اعمال صالحہ سے آبیاری کرتے ہیں اور گناہوں کی ژالہ باری سے اسے بچائے رکھتے ہیں ان پر پھل بھی زیادہ لگتا ہے اور لوگ کثرت سے ان کی ارواح کو ایصال ثواب کرتے ہیں اولیاء کرام کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے والوں کا ہجوم اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ان مقبول ترین بندوں نے ایمان کا جو درخت لگایا اور عمر بھر اسے اپنے گریہ سحری سے سینچتے رہے۔ اس کی بہار اور اس کا جوبن قابل دید ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۝

(کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں پاتال تک گئی ہوئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں یہ درخت ہر لحظہ پھل دے رہا ہے)۔

صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے بارے عقیدہ

اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (الاحزاب)

(بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم ﷺ پر اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا کرو)۔

اسلام کو مٹانے کے لئے کفر کے سارے حربے ناکام ہو چکے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں پر انہوں نے مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے لیکن ان کے جذبہ ایمان کو کم نہ کر سکے

انہوں نے اپنے وطن، گھربار، اہل وعیال کو خوشی سے چھوڑنا گوارا کیا لیکن دامن مصطفی ﷺ کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ کفار نے بڑے کروفر اور شکوہ وطمطراق کے ساتھ مدینہ طیبہ پر بار بار یورش کی لیکن انہیں ہر بار ان مٹھی بھر اہل ایمان سے شکست کھا کر واپس آنا پڑا۔ اب انہوں نے حضور ﷺ کی ذات اقدس واطہر پر طرح طرح کے الزامات تراشنے شروع کر دیئے تا کہ لوگ رشد وہدایت کی اس نورانی شمع سے نفرت کرنے لگیں اور یوں اسلام کی ترقی رک جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کی ان امیدوں کو خاک میں ملا دیا بتایا کہ یہ میرا حبیب اور میرا پیارا رسول جس کی وصف وثناء میں اپنی زبان قدرت سے کرتا ہوں اور میرے سارے ان گنت نورانی فرشتے اپنی نورانی اور پاکیزہ زبانوں سے اس کی جناب میں ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہیں تم چند لوگ اگر اس کی شان عالی میں ہرزہ سرائی کرتے بھی رہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے جس طرح تمہارے پہلے منصوبے خاک میں مل گئے اور تمہاری کوششیں ناکام ہوگئیں اسی طرح اپنی ناپاک مہم میں بھی تم خائب وخاسر ہو گے۔

اس آیت کریمہ کی جلالت شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لئے پہلے اس کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

آیت کریمہ میں فعل صلوٰۃ کے تین فاعل ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ (۲) فرشتے (۳) اہل اسلام۔

(۱) جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریم ﷺ کی تعریف وثناء کرتا ہے۔

صَلٰوۃُ اللہ ثَنَاءُہٗ عَلَیْہِ عِنْدَ الْمَلٰٓئِکَۃِ۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: ان اللہ وملائکتہ الخ، ج3، ص307)

علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وتعظیمہ تعالی رعیاہ فی الدنیا باعلائہ ذکرہ واظہار دینہ وابقاء العمل بشریعتہ فی الآخرۃ بتشفیعہ فی امتہ واجزال اجرہ ومثوبتہ

وابداء فضله للاولین والآخرین بالمقام المحمود وتقدیمه علی کافة المقربین بالشھود۔

(تفسیر روح المعانی، پارہ 22، الاحزاب تحت آیۃ 56، الجزء الثانی والعشرون، ص 344)

اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ذکر کو بلند کر کے اس کے دین کو غلبہ دے کر اور اس کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کر اس دنیا میں حضور کی شان وعزت کو بڑھاتا ہے اور روز محشر امت کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت قبول فرما کر اور حضور کو بہترین اجر وثواب عطا کر کے اور مقام محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین وآخرین کے لئے حضور ﷺ کی بزرگی کو نمایاں کر کے اور تمام مقربین پر حضور ﷺ کو سبقت بخش کر حضور ﷺ کی شان کو آشکارا فرماتا ہے۔

(۲) اور جب اس کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو صلوٰۃ کا معنی دعا ہے اور ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لئے دست بدعا ہیں۔ اس جملہ میں (ان اللہ وملائکتہ) میں اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے تو یہاں دونوں جملے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار ودوام پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ تجدد وحدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر دم، ہر گھڑی اپنے نبی مکرم ﷺ پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور آپ کی شان بیان فرماتا ہے اس طرح اس کے فرشتے بھی اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ عراقی نے کیا خوب لکھتا ہے:

ثنائے زلف ورخسار تو اے ماہ ملائک ورد صبح وشام کردند

جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندے پر ہمیشہ اپنی برکتیں نازل فرماتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے اس کی ثناء گستری میں زمزمہ سنج رہتے ہیں اور اس کی رفعت شان کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں تو اے اہل ایمان تم بھی میرے محبوب کی رفعت شان کے لئے دعا مانگا کرو۔

علامہ ابن منظور صلوٰۃ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب۔۔مومن بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فَمَعْنَاهُ عَظِّمْهُ فِي الدُّنْيَا بِإِعْلَاءِ ذِكْرِهٖ وَإِظْهَارِ دَعْوَتِهٖ وَإِبْقَاءِ شَرِيْعَتِهٖ وَفِي الْآخِرَةِ بِتَشْفِيْعِهٖ فِيْ أُمَّتِهٖ تَضْعِيْفَ أَجْرِهٖ وَمَثُوْبَتِهٖ۔ (لسان العرب، ج1،ص2231)

(یعنی اے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذکر کو بلند فرما اس کے دین کو غلبہ عطا کر اور اس کی شریعت کو باقی رکھ کر اس دنیا میں اس کی شان کو بلند فرما اور روز محشر ان کی شفاعت قبول فرما اجر اور ثواب کو کئی گنا کر دے)۔

اگرچہ صلوٰۃ بھیجنے کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے لیکن ہم نہ شان رسالت کو کما حقہ جانتے ہیں اور نہ اس کا حق ادا کر سکتے ہیں اس لئے اعتراف عجز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں:
اللھم صل یعنی مولا کریم تو ہی اپنے محبوب کی شان کو اور قدر و منزلت کو صحیح طور پر جانتا ہے اس لئے تو ہی ہماری طرف سے اپنے محبوب پر درود بھیج جو اس کی شان کے شایان ہے۔

وقیل المعنی لما امرنا اللہ تعالیٰ سبحانہ بالصلوۃ علیہ ولم نبلغ قدر الواجب من ذلک احلنا علی اللہ وقلنا اللھم صل انت علی محمد لانک اعلم مما یلیق بہ۔ (لسان العرب، ج1،ص2231)

اس آیت طیبہ میں ہمیں بارگاہ رسالت میں صلوۃ وسلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث کثیرہ صحیحہ میں بھی درود شریف کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ چند احادیث تبرکا ذکر کر دیتا ہوں تا کہ آپ کے دل میں بھی اپنے رسول مکرم، ہادی اعظم مرشد اکمل ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا شوق پیدا ہو۔

(۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِحَاجَةٍ فَلَمْ أَجِدْ أَحَدًا يَتْبَعُهٗ فَفَزِعَ عُمَرُ وَأَتَاهُ بِمِطْهَرَةٍ مِنْ خَلْفِهٖ فَوَجَدَ النَّبِيَّ ﷺ سَاجِدًا فِيْ مَشْرَبَةٍ فَتَنَحّٰى عَنْهُ مِنْ خَلْفِهٖ حَتّٰى رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَأْسَهٗ فَقَالَ أَحْسَنْتَ يَا عُمَرُ

حِيْنَ وَجَدْتَنِيْ سَاجِدًا تَنَحَّيْتَ عَنِّيْ- اِنَّ جِبْرَئِيْلَ اَتَانِيْ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ مِنْ اُمَّتِكَ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرًا صَلَوَاتٍ وَرَفَعَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ-

(مجمع الزوائد، کتاب الادعیۃ، باب فی الصلاۃ علی النبی الخ، الحدیث 17288، ج10، ص250)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ایک دن حضور نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے حضور کے ساتھ کوئی اور آدمی نہ تھا۔ حضرت عمر نے پانی سے بھرا ہوا لوٹا لیا اور پیچھے چل دیئے۔ جب آپ باہر آئے تو حضور ﷺ کو ایک وادی میں سربسجود پایا اور چپکے سے ایک طرف ہٹ کر پیچھے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے سجدہ سے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: اے عمر! تو نے بہت اچھا کیا کہ جب مجھے سربسجود دیکھا تو ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔ جبرئیل میرے پاس آئے اور انہوں نے آکر یہ بتایا کہ جو امتی آپ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود شریف پڑھے گا اور اس کے دس درجے بلند کردے گا)۔

(۲) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالسُّرُوْرُ يُرٰى فِيْ وَجْهِهٖ وَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّا نَرَى السُّرُوْرَ فِيْ وَجْهِكَ وَقَالَ اِنَّهُ اَتَانِيْ مَلَكٌ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَمَا يُرْضِيْكَ اَنَّ رَبَّكَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ اِنَّهُ لَا يُصَلِّيْ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا قُلْتُ بَلٰى-　(مسند احمد بن حنبل، مسند ابی طلحۃ، الحدیث 16363، ج5، ص511)

(ایک دن حضور سرور کائنات ﷺ تشریف لائے رخ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آج تو چہرہ اقدس خوشی سے تاباں ہے، فرمایا: میرے پاس فرشتہ آیا ہے اور اس نے آکر بتایا کہ اے سراپا حسن و خوبی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجے گا اور آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا اللہ تعالیٰ دس بار اس پر سلام بھیجے گا۔ میں نے جواب دیا کہ میں اپنے

مولا کریم کی اس نوازش پر از حد خوش ہوں۔

(۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلْيُصَلِّ عَلَيَّ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ عَشْرًا۔

(مسند ابی یعلی، مسند انس بن مالک، الحدیث 3989، ج3، ص372)

(حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھ پر درود پاک پڑھے اور جو شخص ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجے گا)۔

(۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب قول رسول اللہ الخ، الحدیث 3557، ج5، ص321)

(حضرت عبداللہ حضرت زین العابدین کے فرزند نے اپنے والد بزرگوار سے انہوں نے اپنے والد گرامی سیدنا امام حسین علیہ السلام سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے)۔

(۵) عَنْ طُفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ذَهَبَ ثُلُثَاءُ اللَّيْلِ قَامَ وَقَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ اُذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ قَالَ اُبَيٌّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ قَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَالنِّصْفُ قَالَ مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا قَالَ اِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ۔ (سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب 88، الحدیث 2465، ج4، ص207)

(ابی بن کعب کے لڑکے طفیل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رات کے دو حصے گزر جاتے تو حضور ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔

اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ تھرا دینے والی آ گئی۔ اس کے پیچھے اور آنے والی ہے۔ موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آ پہنچی موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آ پہنچی۔ میرے باپ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں حضور ﷺ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں ارشاد فرمایئے میں کس قدر پڑھا کروں؟ فرمایا: جتنا دل چاہے۔ میں نے عرض کی: وقت کا چوتھائی حصہ۔ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لئے بہتر ہے۔ عرض کیا: نصف وقت۔ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے اور اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی دو تہائی۔ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے، اگر زیادہ کرے تو افضل ہے۔ میں نے عرض کی: میں اپنا سارا وقت حضور ﷺ پر درود شریف پڑھتا رہوں گا۔ فرمایا: تب یہ درود تیرے رنج والم کو دور کرنے کے لئے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے)۔

(۲) عَنِ الطُّفَيْلِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَرَأَيْتَ اَنْ جَعَلْتُ صَلَاتِيْ كُلَّهَا عَلَيْكَ قَالَ اِذًا يَكْفِيْكَ اللهُ مَا أَهَمَّكَ مِنْ دُنْيَاكَ وَآخِرَتِكَ۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث الطفیل، الحدیث 21300، ج8، ص50)

(طفیل کہتے ہیں میرے والد نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ: میں اگر اپنا تمام وقت حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کر دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تب اللہ تعالیٰ تیری دنیا و آخرت کی مشکلیں آسان کر دے گا)۔

آیت طیبہ اور ان احادیث مبارکہ سے درود شریف کی برکتیں اور فضیلتیں معلوم ہوگئیں۔ ایسا کم فہم اور نادان کون ہوگا جو رحمتوں کے اس خزانے سے اپنی جھولی بھرنے کی کوشش نہ کرے۔ لیکن بعض اوقات اور بعض مقامات ایسے ہیں جہاں درود شریف پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے اور وہاں پڑھنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے چند اہم مقامات اور اوقات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ہر مجلس میں درود پڑھنے کی ہدایت

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا وَلَمْ

یَذْکُرُوْا اللّٰہَ فِیْہِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّہِمْ اِلَّا کَانَ عَلَیْہِمْ تِرَۃٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَہُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَہُمْ۔

(المرجع السابق، مسند ابی ہریرۃ، الحدیث: 10248، ج3، ص528۔ سنن الترمذی کتاب الدعوت، باب فی القوم یجلسون الخ، الحدیث، 3391، ج5، ص247)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں نہ اس کے نبی پر درود شریف پڑھتے ہیں قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لئے وبال ہوگی۔ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو ان کو بخش دے)۔

(۲) ہر محفل کے اختتام کے وقت

حضرت ابوسعید سے مروی ہے آپ نے فرمایا: جب لوگ بیٹھتے ہیں اور پھر کھڑے ہوتے ہیں اور حضور ﷺ پر درود شریف نہیں پڑھتے تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لئے باعث حسرت ہوگی۔ اگر وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں ندامت ہوگی۔

(السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب من جلس مجلسا الخ، الحدیث، 10243، ج6، ص108، والمسند احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرۃ، الحدیث، 9972، ج3، ص489)

(۳) اذان کے بعد

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب مؤذن کو تم اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی جملے دہراؤ جو وہ کہہ رہا ہے۔ پھر مجھ پر درود شریف پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے۔

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِہَا عَشْرًا۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ باب استحباب القول الخ، الحدیث، 11-384، ص203)

(۴) مسجد میں داخل اور نکلتے وقت

حضرت عبداللہ بن حسن اپنی والدہ صاحبہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا اپنی دادی صاحبہ حضرت خاتون جنت سے روایت کرتے ہیں:

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ وَافْتَحْ لِىْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ وَافْتَحْ لِىْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ۔

(المسند للامام احمد بن حنبل، احادیث فاطمۃ بنت رسول اللہ، الحدیث 26478 و 26482، ج10، ص159)

(۵) دعا کرتے وقت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دعا میں جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی اور زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب الوتر، باب ماجاء فی فضل الخ، الحدیث 486، ج2، ص29)

(۶) نماز کے بعد دعاء سے پہلے

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم تشریف فرما تھے۔ جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی پھر میں نے درود پاک پڑھا۔ پھر اپنے لئے دعا مانگنے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب مانگ تجھے دیا جائے گا۔ عربی عبارت ملاحظہ ہو:

عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّىْ وَالنَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللهِ تَعَالٰى ثُمَّ بِالصَّلٰوةِ مَعَ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِىْ فَقَالَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم سَلْ تُعْطَهْ۔

(سنن ترمذی، کتاب السفر، باب ماذکر فی الثناء الخ، الحدیث 593، ج2، ص104)

(۷) حضرت امام ترمذی اپنی سنن میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ

وَارْحَمْنِیْ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَجِلْتَ اَیُّھَا الْمُصَلِّیْ اِذَا صَلَّیْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰہَ بِمَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَصَلِّ عَلَیَّ ثُمَّ ادْعُہٗ قَالَ ثُمَّ صَلّٰی رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذٰلِکَ فَحَمِدَ لِلّٰہِ وَصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ ﷺ اَیُّھَا الْمُصَلِّیْ اُدْعُ تُجَبْ۔

(المرجع السابق، کتاب الدعوات، باب 66، الحدیث 3487، ج 5، ص 291)

(ایک روز حضور ﷺ تشریف فرما تھے ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا مانگی۔ یا اللہ مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے نمازی! تو نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے۔ جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرو مجھ پر درود پڑھو۔ پھر دعا مانگو۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر حضور ﷺ پر درود پاک پڑھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے نمازی! اب دعا مانگ قبول ہوگی)۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہم اہل سنّت نماز کے بعد جو ذکر اور درود شریف پڑھتے ہیں یہ سنت ہے اور قبولیت دعا کا باعث ہے۔ نیز اس سے باآواز بلند ذکر اور درود شریف پڑھنا ثابت ہوا۔

جب حضور نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک لیا جائے تو درود شریف پڑھے جب اسم گرامی لکھے تو ساتھ درود شریف لکھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ خلف نے بیان کیا کہ ان کا ایک دوست حدیث کا طالب علم تھا۔ وہ فوت ہو گیا میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ سبز پوشاک پہنے خوش وخرم گھوم رہا تھا۔ میں نے کہا: تم تو وہی میرے ہم مکتب نہیں ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں وہی ہوں۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا: میری یہ عادت تھی کہ جہاں محمد رسول اللہ ﷺ کا نام نامی لکھتا وہاں درود شریف بھی لکھتا۔ فکافانی ربی ھذا الذی تری علی۔ یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے میرے رب نے مجھے اس عمل کے بدلے دیا ہے۔ (جلاء الافہام، فصل المواطن الحادی والعشرون، ص 230)

حضرت عبداللہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں امام شافعی کو دیکھا۔ پوچھا:

فرمایئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ آپ نے فرمایا:

رَحِمَنِيْ وَغَفَرَلِيْ وَزُفِفْتُ اِلَى الْجَنَّةِ كَمَا تُزَفُّ الْعُرُوْسُ الی زوجھا۔

(بستان الواعظین لابن جوزی، مجلس فی قولہ تعالی ان اللہ وملائکتہ الخ، ص 262)

(میرے رب نے مجھ پر رحم فرمایا۔ مجھے بخش دیا۔ مجھے دلہن کی طرح آراستہ کر کے جنت میں بھیجا گیا اور مجھ پر جنت کے پھول نچھاور کئے گئے جس طرح دلہن پر درہم ودینار نچھاور کئے جاتے ہیں)۔

میں نے اس عزت افزائی کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں حضور ﷺ پر میں نے جو درود شریف لکھا ہے اس کا یہ اجر ہے۔ عبداللہ بن حکم کہتے ہیں میں نے امام سے پوچھا وہ خاص درود شریف کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ میں نے وہاں یہ درود شریف لکھا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نبينا كلما ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

(الرسالۃ للامام شافعی، الجزء الاول، ص 16، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(میں بیدار ہوا اور کتاب الرسالہ کو کھولا تو وہاں بعینہ اسی طرح درود شریف لکھا ہوا تھا)

حاضر وناظر کے بارے عقیدہ

اللہ کریم اپنے محبوب کریم ﷺ کی عظمت وشان کا درج ذیل آیات میں یوں ذکر فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ (الاحزاب)

(اے نبی مکرم! ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ہر وقت ڈرانے والا)۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کو بڑے محبت بھرے انداز میں خطاب فرماتا ہے۔ اس کے بعد ان جلیل القدر خطابات کا ذکر کرتا ہے جن سے اس نے اپنے محبوب کو سرفراز فرمایا۔ ان کے ذکر سے اگر ایک طرف اپنے پیارے رسول ﷺ کی عزت افزائی مقصود

ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی حوصلہ دیا جارہا ہے کہ تم ان طوفانوں سے نہ گھبراؤ۔ ان تند و تیز لہروں سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ منہ کھولے ہوئے گرداب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس ملت کا سفینہ ہم نے کسی ایسے ملاح کے سپرد نہیں کیا جو کم ہمت، دوں حوصلہ، نااہل، ناتجربہ کار ہو بلکہ اس کشتی کا ناخدا وہ نبی برحق ہے جس کو ہم نے ان صفات جلیلہ سے متصف کیا ہے۔ تم صبر و استقامت سے اس کا دامن اطاعت مضبوطی سے پکڑے رہو۔ یقیناً تمہیں ساحل مراد تک رسائی نصیب ہو گی۔ ساتھ ہی دشمنان اسلام کی ان ناپاک آرزوؤں کو بھی خاک میں ملادیا جو اپنی سازشوں اور حیلہ سازیوں سے حق کی اس شمع فروزاں کو بجھانا چاہتے تھے۔

ارشاد فرمایا:۔ اے میرے نبی! ہم نے تجھے شاہد بنایا ہے شاہد کا معنی گواہ ہے۔ گواہ کے لئے ضروری ہے کہ جس واقعہ کی وہ گواہی دے رہا ہے وہ وہاں موجود بھی ہو اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بھی۔

چنانچہ علامہ راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے:

الشھادۃ والشھود الحضور مع المشاھدۃ اما بالبصر او البصیرۃ۔

(المفردات للأصفہانی، باب شہد، ص 465)

(شہادت وہ ہوتی ہے کہ انسان وہاں موجود بھی ہو اور وہ اسے دیکھے بھی خواہ آنکھوں کی بینائی سے یا بصیرت کے نور سے)۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا کہ ہم نے تجھے شاہد بنایا لیکن جس چیز پر شاہد بنایا اس کا ذکر نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک چیز ذکر کر دی جاتی تو شہادت نبوت وہاں محصور ہو کر رہ جاتی۔ یہاں اس شہادت کو کسی ایک امر پر محصور کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے یعنی حضور گواہ ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تمام صفات کمالیہ پر۔ کیونکہ جب ایسی باکمال ہستی اور ہمہ صفت موصوف ہستی یہ گواہی دے رہی ہو کہ لا الٰہ الا اللہ۔ تو کسی کو اس دعوت کے حق ہونے میں شک نہیں رہتا۔

دولت، حکومت، شخصی وجاہت، علم اور فضل کمال یہ ایسے حجابات ہیں جن میں لوگ کھو جاتے ہیں اور اپنے خالق کریم کی ہستی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حضور کی اس شہادت سے وہ سارے حجاب تار تار ہو گئے اور اس جلیل المرتبت نبی کی شہادت توحید کے بعد کوئی سلیم الفطرت آدمی اس کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ نیز حضور ﷺ اسلام اس کے عقائد، اس کے نظام، عبادات واخلاق اور اس کے سارے قوانین کی حقانیت کے بھی گواہ ہیں۔ کہ اسی کی اتباع میں فلاح دارین کا راز مضمر ہے۔ پس آئین کے نفاذ سے سابقہ امتیں اپنے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیں گی کہ نہ ان کے پاس کوئی نبی آیا اور نہ کسی نے ان کو دعوت توحید دی اور نہ کسی نے انہیں گناہوں سے روکا تو اس وقت بھرے مجمع میں اللہ تعالیٰ کا یہ رسول انبیاء کی صداقت کی گواہی دے گا کہ الٰہ العالمین! تیرے نبیوں نے تیرے احکام پہنچائے اور تیری طرف بلانے میں انہوں نے کسی کوتاہی کا ثبوت نہیں دیا یہ لوگ جو آج تیرے انبیاء کی دعوت کا سرے سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں پر پتھر برسائے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ انہیں جھٹلایا اور بعض نے تو تیرے نبیوں کو تختہ دار پر کھینچ دیا۔ اس کے علاوہ حضور نبی کریم ﷺ اپنی امت کے اعمال پر گواہی دیں گے کہ فلاں نے کیا کیا اور فلاں سے کیا غلطی سرزد ہوئی۔

چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شاهداعلى أمتك۔ یعنی حضور ﷺ اپنی امت پر گواہی دیں گے۔

اپنی اس تفسیر کی تائید میں انہوں نے یہ روایت پیش کی ہے:

اَخْرَجَ اِبْنُ الْمُبَارِكِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ لَيْسَ مِنْ يَوْمٍ اِلَّا وَيُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ اُمَّتُهٗ غُدْوَةً وَ عَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَلِذٰلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ۔

(تفسیر مظہری مترجم، پ 22، الاحزاب تحت آیۃ 45، ج 7، ص 500)

(حضرت عبد اللہ ابن مبارک نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ ہر

روز صبح و شام حضور کی امت حضور ﷺ پر پیش کی جاتی ہے اور حضور ﷺ ہر فرد کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں اسی لئے حضور ان پر گواہی دیں گے)۔

علامہ ابن کثیر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

فقوله تعالٰی شاهدا علی الله بالوحدانية وانه لا اله غيره وعلی الناس باعمالهم يوم القيامة۔

(تفسیر ابن کثیر، پ 22، الاحزاب تحت آیۃ 45، ج 6، ص 389)

(حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں اس کے بغیر کوئی معبود نہیں اور قیامت کے روز لوگوں کے اعمال پر گواہی دیں گے)۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شاهدا علی من بعثت اليهم تراقب احوالهم وتشاهد اعمالهم وتؤديها يوم القيامة اداءً مقبولا فی مالهم وما عليهم۔

(تفسیر روح المعانی، پ 22، الاحزاب تحت آیۃ 45، الجزء الثانی والعشرون، ص 304)

(یعنی حضور گواہی دیں گے اپنی امت پر کیونکہ حضور ﷺ ان کے احوال دیکھ رہے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور روز قیامت ان کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ:

ان الله تعالٰی قد اطلعه ﷺ علی اعمال العباد فنظر اليها لذلك اطلق عليه شاهدا۔ (المرجع السابق)

(یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بندوں کے اعمال پر آگاہ فرما دیا)۔

اور حضور ﷺ نے انہیں دیکھا ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کو شاہد کہا گیا۔

اس قول کی تائید میں علامہ آلوسی نے مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

در نظر بودش مقامات العباد زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

(المرجع السابق، ص305)

کہ بندوں کے مقامات حضور ﷺ کی نگاہ میں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم مبارک شاہد رکھا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں: فتامل ولا تتغفل کہ اس بیان کردہ حقیقت میں غور وفکر کرا ور غفلت سے کام نہ لے۔ (المرجع السابق، ص305)

مفتی شبیر احمد عثمانی نے اس مقام پر جو حاشیہ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔

الغرض وہ تمام ابدی صداقتیں جنہیں انسان سمجھنے سے قاصر ہے عالم الغیب کی وہ حقیقتیں جو عقل وخرد کی رسائی سے ماورا ہیں ان سب کی سچائی کے آپ گواہ ہیں۔

ان حقائق کی مزید تفصیل وتشریح صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے درج ذیل آیت طیبہ کے تحت رقم فرمائی ہے: ملاحظہ فرمائیں:

ارشاد الٰہی ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ:143)

(اور اس طرح ہم نے بنایا تمہیں (اے مسلمانوں) بہترین امت تا کہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو)۔

امت محمدیہ ﷺ گواہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس کی گواہی اسلام کی صداقت پر ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کی وہ زندہ تصویر ہے دنیا میں اس کا ہر قول ہر فعل اس کی انفرادی اور اجتماعی خوشحالی اس کی سیرت کی پختگی اور اس کے اخلاق کی بلندی ہر چیز اسلام کی صداقت پر گواہی دے رہی ہے اور قیامت کے روز جب اگلے پیغمبروں کی

امتیں اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گی۔

کہ ہمیں کسی نے تیرا پیغام ہدایت نہیں پہنچایا تو اس وقت امت مصطفی ﷺ گواہی دے گی کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ تیرے پیغمبروں نے تو تیرا پیغام حرف بحرف پہنچا دیا تھا اور جب ان پر اعتراض ہوگا کہ تم اس وقت موجود ہی نہ تھے تم گواہ کیسے بنے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اے اللہ! تیرے حبیب محمد مصطفی ﷺ نے ہمیں بتایا کہ تیرے رسولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نبی کریم ﷺ اپنی امت کی صداقت وعدالت کی گواہی دیں گے۔ کیونکہ حضور ﷺ اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں۔ چنانچہ

حضرت شاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرماتے ہیں:

باشد رسول شما بر شما گواه زیرا که او مطلع است بنور نبوت بر رتبه هر متدین بدین خود که در کدام درجه در دین من رسیده و حقیقت ایمان او چیست حجابے که بدان از ترقی محجوب مانده است کدام است پس او می شناسد گناهان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔

(تمہارا رسول تم پر گواہی دے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کونسا پردہ ہے جس نے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمہارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں اور تمہارے ایمان کے درجوں کو تمہارے نیک و بد سارے اعمال کو اور تمہارے اخلاص و ایمان کو بھی خوب پہچانتے ہیں)۔

اس بات کی مزید تفسیر وتشریح درج ذیل آیت میں صاحب تفسیر نے رقم فرمائی:

ارشاد الٰہی ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾ (النحل)

(وہ دن بڑا ہولناک ہوگا جب ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ ان پر انہی میں سے اور ہم لے آئیں گے آپ کو بطور گواہ ان سب پر اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا اور یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے اور یہ مژدہ ہے مسلمانوں کے لئے)۔

ھٰؤلاء کا مشار الیہ امت مصطفی ﷺ ہے۔ یعنی حضور ﷺ اپنی امت پر گواہی دیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ وَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ تَعَالٰى وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اَسْتَغْفَرْتُ اللهَ لَكُمْ۔

(البحر الذخار المعروف بمسند البزار، مراذان عن عبداللہ، الحدیث 1925، ج5، ص308)

(یعنی میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میرا یہاں سے انتقال کر جانا بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اگر تمہاری کسی نیکی کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب تمہارے کسی گناہ کو دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں)۔

علامہ قرطبی نے اس قول کی تائید میں حضرت سعید بن مسیب کا یہ قول نقل کیا ہے:

ليس من يوم الا تعرض على النبی ﷺ امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم واعمالهم فلذلك يشهد عليهم۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، پ5، النساء تحت الآیۃ: 41، ج3، الجزء الخامس، ص138)

(حضور ﷺ پر ہر صبح و شام حضور کی امت پیش کی جاتی ہے حضور ﷺ اپنے ہر امتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں اس علم کامل کے باعث حضور ﷺ قیامت کے روز سب کے گواہ ہوں گے)۔

اولیاء اللہ کے بارے عقیدہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ (یونس)

(بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یوں تو تمام مفسرین نے اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس آیت کی تفسیر کی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ عارف باللہ علامہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی کے بیان میں جتنی دلکشی، شیرینی اور جامعیت ہے اس کا جواب نہیں اس لئے میں انہی کی خوشہ چینی کرتے ہوئے چند حقائق ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

"ولی" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قاموس میں ہے: الولی القرب والدنو۔ یعنی ولی کا معنی قرب اور نزدیکی ہے۔ ولی: اس سے اسم ہے۔ اس کا معنی ہے قریب، محب، صدیق، مددگار۔

وفی القاموس الولی القرب والدنو۔ والولی اسم منه بمعنی القریب المحب الصدیق والنصیر۔

پھر فرماتے ہیں:

قرب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قرب جو ہر انسان بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے خالق سے ہے۔ اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہو سکے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ (ق) ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ میں اسی قرب کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا قرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہے اسے قرب محبت کہتے ہیں۔ قرب کی ان دو قسموں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی وجہ اشتراک نہیں۔ "قرب

محبت'' کے بے شمار درجات ہیں۔ ایک سے ایک بلند۔ ایک سے ایک اعلیٰ۔ ایمان شرط اول ہے۔ دولت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد اہل عزم و ہمت ترقی کے مختلف درجات طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں جس کی وضاحت رحمت عالمیان ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے:

وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ الخ۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، الحدیث 6502، ج4، ص248)

(اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے)۔

اور اس قرب محبت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوب رب العالمین ﷺ فائز ہیں۔ حضور ﷺ کا طائر ہمت جہاں محو پرواز ہے ان رفعتوں کو کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس ذات بے ہمتا کے جس نے اپنے محبوب بندے کو یہ ہمتیں دیں اور حوصلے ارزانی فرمائے۔

وَأَعْلٰى دَرَجَاتِهٖ نَصِيبُ الْأَنْبِيَاءِ وَنَصِيبُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ۔ وَلَهٗ ﷺ تَرَقِّيَاتٌ لَا تَتَنَاهٰى إِلٰى أَبَدِ الْآبِدِينَ۔

(تفسیر مظہری، مترجم، پ 11، یونس تحت آیۃ 62، ج5، ص53)

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ''ولی'' اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکر الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب و روز وہ تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو۔ اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو۔

وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ

کے لئے، یہی وہ مقام ہے جسے "فنافی اللہ" کا مقام کہتے ہیں۔

الولی فی اصطلاح الصوفیة من کان قلبه مستغرقا فی ذکر الله یسبحون اللیل والنهار لایفترون ممتلیا بحب الله تعالیٰ لایسع فیه غیره ولو کانوا آباء هم أو أبناء هم اواخوانهم أو عشیرتهم فلا یحب لله أحدا الالله ولایبغض الالله۔ (المرجع السابق)

مرتبہ ولایت پر فائز ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے علامہ موصوف فرماتے ہیں:

مرتبہ ولایت کے حصول کی یہی صورت ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آئینہ دل پر آفتاب رسالت ﷺ کے انوار کا انعکاس ہونے لگے اور پرتو جمال محمدی علی صاحبہا جمل الصلوات واطیب التسلیمات قلب وروح کو منور کردے اور یہ نعمت انہی کو بخشی جاتی ہے جو بارگاہ رسالت ﷺ میں یا حضور کے نائبین یعنی اولیاء امت کی صحبت میں بکثرت حاضر رہیں۔

مسنون طریقہ سے کثرت ذکر اس نسبت کو قوی کرتی ہے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقَلْبِ ذِكْرُ اللهِ

(ہر چیز کے زنگ کو دور کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے۔ دل کا زنگ ذکر اللہ سے دور ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ عزوجل، الفصل الثالث، الحدیث 2286، ج 2، ص 428)

انہیں نفوس قدسیہ کی صحبت وہم نشینی کے متعلق احادیث طیبہ میں بار بار ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے۔ چنانچہ ائمہ حدیث حضرات مالک، احمد، طبرانی وغیرہم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ۔ قَالَ اللهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ۔ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ۔ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ۔ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ۔

(موطا للامام مالک، کتاب الشعر، باب ماجاء فی المتحابین فی اللہ، الحدیث 1828، ج 2، ص 439)

(میں نے حضور کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان لوگوں سے

میں ضرور محبت کرتا ہوں جو آپس میں میری وجہ سے پیار و محبت کرتے ہیں۔ میری رضا جوئی کیلئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میری خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کی:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَیْفَ تَقُوْلُ فِیْ رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ یَلْحَقْ بِھِمْ قَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب علامۃ حب اللہ، الحدیث 6169، ج4، ص147)

(اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ! اس شخص کے بارے میں حضور ﷺ کیا ارشاد فرماتے ہیں جو ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن عمل و تقوی میں ان کے برابر نہیں۔ فرمایا: ہر شخص کی سنگت اس کے ساتھ ہوگی جس سے وہ محبت کرتا ہے)۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں:

سنو! اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو طالب اور مرید ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو مطلوب اور مراد ہیں۔ ایک وہ ہیں جنہیں محبوبیت کی خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا گیا ہے۔

سابقہ احادیث میں جن اولیاء کا ذکر ہوا وہ طالب اور مرید ہیں اور جو مطلوب و مراد ہیں جو مقصود و محبوب ہیں ان کے احوال کا بیان اس حدیث پاک میں ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور دیگر علماء حدیث نے اپنی اپنی کتب احادیث میں روایت کی ہے:

عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِیْلَ فَقَالَ إِنِّیْ أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّہٗ قَالَ فَیُحِبُّہٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَاءِ فَیَقُوْلُ إِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْہُ فَیُحِبُّہٗ أَھْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَإِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَیَقُوْلُ إِنِّیْ أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْہُ قَالَ فَیُبْغِضُہٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِیْ أَھْلِ

السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضُوْہُ قَالَ فَیُبْغِضُوْنَہٗ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْبَغْضَاءُ فِی الْاَرْضِ۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب اذا احب اللہ عبداً الخ، الحدیث 2637، ص 1417)

(حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے اے جبرائیل! میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اسی سے محبت کرو۔ پھر سب اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت کا چرچا ہو جاتا ہے (اور لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں) اس طرح جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے تو جبرائیل کو بھی اسے ناپسند کرنے کا حکم ملتا ہے۔ پھر جبرائیل آسمان میں اس کے مبغوض اور ناپسند ہونے کی منادی کرتے ہیں تو آسمان والے اس سے بغض کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کے متعلق نفرت و بغض کا جذبہ بڑھنے لگتا ہے)۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ان علامات اور خصوصیات کا ذکر بھی فرمایا جن کے ان مخزن خیرات و برکات ہستیوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف نے چند احادیث ذکر کی ہیں جو ہدیہ ناظرین ہیں:

(۱) حضور ﷺ سے پوچھا: من أولیاء اللہ۔ اولیاء اللہ کون ہیں؟ فرمایا: اَلَّذِیْنَ اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ۔ (وہ لوگ جن کے دیدار سے خدا یاد آجاتا ہے)۔

(حلیۃ الاولیاء، مقدمۃ المصنف، الحدیث 6، ج1، ص36)

(۲) حضرت اسماء بنت یزید نے حضور ﷺ کو یوں گوہر افشانی کرتے ہوئے سنا: (اے حاضرین!) کیا میں تمہیں ان لوگوں پر آگاہ نہ کروں جو تم سب سے بہتر ہیں سب نے عرض کی بلیٰ یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: اذا رءوا ذکر اللہ۔ جب ان کی زیارت کی جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ (سنن

ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب من لا یوبہ لہ، الحدیث ،4119 ج4،ص431)

کیونکہ ان کا دل وہ آئینہ ہے جس میں تجلیات الٰہیہ کا عکس پڑ رہا ہے اور جب کوئی چیز ایسے آئینہ کے مقابلہ میں رکھی جاتی ہے جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہوتی ہیں تو وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے۔ بلکہ اگر آئینہ کا عکس روئی پر ڈالا جائے تو وہ جلنے لگتی ہے۔ حالانکہ سورج کی کرنیں اگر بلاواسطہ پڑیں تو وہ نہیں جلتی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سورج سے دور ہے اور آئینہ سے قریب۔

نیز اولیاء کرام میں دو قسم کی قوتیں ہوتی ہیں۔ اثر قبول کرنے کی اور اثر کرنے کی۔ پہلی قوت کی وجہ سے وہ بارگاہ الٰہی سے فیض و تجلی کو قبول کرتے ہیں اور دوسری قوت سے وہ ان ارواح قلوب کو فیض پہنچاتے ہیں جن کا ان سے روحانی لگاؤ اور قلبی مناسبت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص انکار اور تعصب سے پاک ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ ان کے فیوض و برکات سے ضرور بہرہ مند ہوتا ہے۔

یعنی جن کا ایمان۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت، قرآن کریم کی حقانیت پر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ کوئی ابلیسی وسوسہ اندازی اور کوئی مصیبت اسے متزلزل نہیں کر سکتی اور ان کا ظاہر و باطن تقوی کے نور سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ ان تمام اعمال و اخلاق سے ان کا دامن یکسر مبرا ہوتا ہے جو ان کے خالق کو ناپسند ہیں۔ شرک جلی، شرک خفی، اخفی، حسد، کینہ، غرور و تکبر ہوا و ہوس وغیرہ۔ غرضیکہ تمام اخلاق ذمیمہ سے وہ پاک ہوتا ہے۔ یہی تقوی کا وہ بلند مقام ہے جہاں جب انسان پہنچتا ہے تو اسے خلعت ولایت سے مشرف کیا جاتا ہے اور اس پیکر عجز و نیاز کو وہ سربلندی عطا کی جاتی ہے جسے دنیا رشک کی نظروں سے دیکھتی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَاهُمْ بِاَنْبِيَاءِ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا

يَارَسُوْلَ اللهِ! تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ۔ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَ نَهَا۔ فَوَاللهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ عَلٰى نُوْرٍ لَايَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَايَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَ قَرَأَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی الرہن، الحدیث 3527، ج3، ص402)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید لیکن قیامت کے دن قرب الٰہی کی وجہ سے انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں بتایئے وہ کون ہیں؟ ان کے اعمال کیا ہیں؟ تاکہ ہم ان لوگوں سے محبت کریں۔ فرمایا: وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں نہ ان میں کوئی رشتہ ہے، اور نہ مالی منفعت۔ بخدا ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور نور کے منبروں پر انہیں بٹھایا جائے گا۔ دوسرے لوگ خوفزدہ ہوں گے۔ لیکن انہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ لوگ حزن و ملال میں مبتلا ہوں گے لیکن انہیں کوئی حزن و ملال نہ ہوگا۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت طیبہ پڑھی: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

عارف روم نے کیا خوب فرمایا ہے:

مگسل از پیغمبر ایام خویش تکیہ کم کن برفن و برگام خویش

(اپنا تعلق رسول کریم ﷺ سے مت توڑ۔ اپنے علم و فن اور اپنے زور پر زیادہ بھروسہ نہ کر)۔

گرچہ شیری چوں روی راہ بے دلیل ہمچو روباہ در ضلالی و ذلیل

(تو شیر ہی کیوں نہ ہو اگر تو اسی راہ پر رہنما کے بغیر چلے گا تو لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہو جائے گا)۔

مپرالا کہ باپر ہائے شیخ تا نہ بینی عون و لشکر ہائے شیخ

(اپنے پیرو مرشد کے پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش نہ کر۔ تب تجھے اپنے مرشد کی

مدد اور لشکر کا پتہ چلے گا)۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کی شان کی وضاحت ایک دوسرے انداز میں بیان فرماتا ہے۔ درج ذیل آیت طیبہ میں صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے منفرد انداز میں تشریح کی ہے:

ارشاد الٰہی ہے: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل)

(وہ یہ کہ) ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور (اس کے مقابلہ میں) ایک وہ بندہ ہے جسے ہم نے رزق دیا اپنی جناب پاک سے رزق حسن۔ پس وہ خرچ کرتا رہتا ہے اس سے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر۔ (اب تم ہی بتاؤ) کیا یہ برابر ہیں۔ الحمد للہ (حقیقت حال واضح ہوگئی) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

اس آیت میں یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب بندے ایک ہی حیثیت کے نہیں۔ بعض وہ ہیں جو زر خرید غلام کی طرح بے بس، بے اختیار، مفلس نادار اور بے فیض ہیں۔ نہ ان کے پاس کچھ ہے اور نہ وہ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں۔

لیکن بعض وہ مقبول و محبوب بندے بھی ہیں جو: من رزقناہ رزقا حسنا کی عنایت سے بہرہ ور ہیں۔ اور فھو ینفق منہ سرا و جھرا کی شان رفیع کے حامل ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے خزانوں سے انہیں مالا مال فرما دیا ہے۔ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے ان کا دامن بھر دیا ہے۔ علمی اور روحانی فتوحات کی ان پر موسلا دھار بارش کی ہے۔ مِنَّا (اپنی خاص جناب سے) اور رزقا حسنا کے الفاظ میں آپ جتنا غور کریں گے ان مواہب ربانی اور عطیات خداوندی کی نفاست و عمدگی اور کثرت و فراوانی کی حقیقت کھلتی جائے گی۔ جن محبوبوں کو ان لامحدود عنایات سے سرفراز فرمایا گیا ہے انہیں ان کو خرچ کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے خزانوں اور نعمتوں کو بڑی فیاضی اور دریا دلی سے محتاجوں، فقیروں اور سائلوں میں بانٹ رہے ہیں۔ نہ وہ خزانے ختم ہوتے ہیں

اور نہ کریموں کے ہاتھ تھکتے ہیں ان کے در پر مانگنے والوں کی بھیڑ لگی ہے۔ ہر کوئی اپنی ہمت، حوصلہ اور سمجھ کے مطابق مانگ رہا ہے اور اپنے ظرف کے مطابق لے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم، محبوب معظم، سرور عالم ﷺ کو کیا دیا اس کی حقیقت کسی غیر سے نہ پوچھیے کوئی کیا جانے خود اس رب کریم سے پوچھیے کہ اے غنی! جس کے قبضہ اختیار میں زمین و آسمان کے سارے خزانے ہیں۔ اے کریم! جس کی جود و سخا کی ایک جھلک "یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" میں نظر آتی ہے۔ جس کی صفت کمال صرف واھب (عطا فرمانے والا) نہیں بلکہ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (بے انداز عطا فرمانے والا) ہے۔ اے اکرم الاکرمین! تو خود بتا کہ تو نے اپنے پیارے بندے محمد عربی ﷺ کو کیا دیا اور کتنا دیا؟ تو جواب ملتا ہے اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ: (اے حبیب! ہم نے آپ کو جود یا بے انداز دیا)۔ پھر ندا آتی ہے: عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

یا پھر اس سے پوچھو جس کو دیا ہے۔ اے عبداللہ! تیرے پروردگار نے جو غنی بھی ہے اور جواد بھی تجھے کیا عطا فرمایا؟ تو اس کی زبان حق ترجمان سے کبھی یہ صدا فردوس گوش بنے گی: اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب احد یحبنا، الحدیث، 4085 ج3، ص46) (مجھے میرے رب نے زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی ہیں) اور کبھی وہ ان الفاظ سے اپنے کریم خدا کی کرم گستریوں کو بیان فرمائے گا۔ فَوَضَعَ یَدَهٗ بَیْنَ كَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بین ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب من سورۃ ص، الحدیث 3244، ج5، ص159)

(یعنی میرے رب کریم نے اپنا دست فیض رساں میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ پھر کیا تھا آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو میں نے جان لیا۔)

اور اپنے محبوب کے طفیل جو نوازشات اپنے محبوب کے غلاموں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان کا صحیح اندازہ لگانا ہی ہمارے علم ناتمام اور فکر نارسا کے لئے مشکل ہے۔ قرآن ہی سے سنئے وہ بتاتا ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یعنی کان کھول کر سن لو۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کسی مکروہ چیز کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی محبوب چیز کے ضائع ہونے کا حزن وملال ہوگا)

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۔ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ

میزبان خداوند عالم ہے اور مہمان اس کے مقبول بندے ہیں۔ اس کی انمول نعمتوں، دلنواز رحمتوں کا وسیع دسترخوان بچھا ہوا ہے جس سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ کون ہے جو اس خوان کرم کی شیرینی اور رنگینی کا انکار کر سکے۔

شائد اس قسم کے ارشادات ربانی کو دیکھ کر شاہ اسماعیل دہلوی صاحب جیسے آدمی جنہوں نے تقویۃ الایمان میں یہاں تک لکھ دیا کہ جس کا نام محمد اور علی ہے اسے کسی قسم کا اختیار نہیں۔ (تقویۃ الایمان، باب اول، فصل 4، شرک فی العبادات کی برائی کا بیان، ص 43) اپنی دوسری کتاب صراط مستقیم میں اپنے اسی ہاتھ سے اسد اللہ الغالب سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق لکھنا پڑا:

قطبیت وغوثیت وابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت مہد حضرت علی المرتضیٰ تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشاں است۔ ودر سلطنت سلاطین وامارت امراء ھم ہم ہمت ایشاں را دخل است کہ بر سیاحین عالم ملکوت مخفی نیست۔ (صراط مستقیم، ص 85، فخر المطابع)

(حضرت علی المرتضیٰ کے مبارک زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک قطبیت، غوثیت، ابدالیت اور دیگر مدارج ولایت سب آپ کے واسطہ سے عطا ہوتے ہیں۔ نیز بادشاہوں کی سلطنت اور امراء کی امارت میں بھی آپ کی ہمت کو بڑا دخل ہے اور یہ حقیقت عالم ملکوت کے سیاحوں پر مخفی نہیں)۔

دوسری جگہ اولیائے کاملین کے متعلق لکھتے ہیں:

وہم چنیں اصحاب ایں مراتب عالیہ وارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال وشہادت می باشند۔(ص 101)

اسی طرح ان عالی مرتبت اولیاء کرام کو عالم مثال وشہادت میں تصرف کرنے کا مطلق اذن مرحمت ہو چکا ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی حبیبہ شفیع المذنبین واولیاء ملتہ الکاملین الی یوم الدین۔ ربنا الحقنابھم انك اکرم الاکرمین آمین۔

معجزۂ معراج ضیاء القرآن کی روشنی میں

ہمارے آقا و مولا سرکار دو جہاں شافع روز جزاء حضور فخر دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات عطا فرمائیں اگرچہ سابقہ انبیاء کرام بھی اس کی خواہش کرتے رہے وہ معجزہ معراج ہے۔ اس میں اللہ کریم نے اپنے محبوب لبیب ﷺ کو اپنی عنایات خسروانہ سے نوازا جس کی نہ کوئی انتہاء ہے نہ کوئی شمار۔

اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کے حضور جتنا سجدہ شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے کہ اللہ کریم نے ہمارے آقائے کریم ﷺ پر یہ کرم فرمایا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں چند ایسے بد بخت لوگ اور گروہ بھی ہیں جنہیں اس معجزہ میں بھی حضور کی عظمت نظر نہ آئی اور اس میں بھی اعتراض کرنے لگے کہ یہ معراج روحانی ہے جسمانی نہیں ہے۔

رؤیت باری تعالیٰ ممکن نہیں ہے آپ جسد اطہر کے ساتھ ملاء اعلیٰ پر تشریف نہیں لے گئے۔ یا یہ معجزہ ہے ہی نہیں وغیرہ۔ ایسے بے ہودہ اعتراضات کا قلع قمع حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل آیت کریمہ کے تحت مفصل طور پر کیا ہے۔

حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ معترضین کے پہلے مکمل اعتراضات نقل کرتے ہیں پھر اپنے عقلی و نقلی دلائل سے ان کے مسکت جواب دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱

(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تا کہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بے شک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب

کچھ دیکھنے والا۔ (بنی اسرائیل: ۱)

اس آیت کریمہ میں حضور فخر موجودات سید کائنات ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے متعلق عقل کوتاہ اندیش اور فہم حقیقت ناشناس نے پہلے بھی رد وقدح کی اور آج بھی واویلا مچا رکھا ہے۔ اس لئے اس مقام کا تقاضا ہے کہ تطویل لاطائل سے دامن بچاتے ہوئے ضروری امور کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لئے حق کی پہچان آسان ہو جائے اور شکوک وشبہات کا جو غبار حسن حقیقت کو مستور کرنے کے لئے اٹھایا جا رہا ہے اس کا سدباب ہو جائے۔

جس روز صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے برگزیدہ رسول نے قریش مکہ کو دعوت توحید دی تھی اس روز سے عداوت وعناد کے شعلے بھڑکنے لگے تھے ہر طرف سے مصائب وآلام کا سیلاب امڈ کر آ گیا تھا۔ رنج وغم کا اندھیرا دن بدن گہرا ہوتا چلا جاتا تھا کہیں اس تاریکی میں حضرت ابوطالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کا وجود مسعود ہر نازک مرحلہ پر تسکین وطمانیت کا سبب بنا کرتا تھا۔ بعثت نبوی ﷺ کے دسویں سال مہربان وشفیق چچا نے وفات پائی۔ اس جانکاہ صدمہ کا زخم ابھی مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ مونس وہمدم دانشور عالی حوصلہ رفیقہ حیات حضرت خدیجہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ کفار مکہ کو اب ان کی انسانیت سوز کارستانیوں سے روکنے والا اور ان کی سفاکانہ روش پر ملامت کرنے والا بھی کوئی نہ رہا۔ جس کے باعث ان کی ایذارسانیاں ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئیں۔

حضور ﷺ اہل مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے شاید وہاں کے لوگ اس دعوت توحید کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں لیکن وہاں جو ظالمانہ اور بہیمانہ برتاؤ کیا گیا اس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ ان حالات میں بظاہر ہر طرف مایوسی کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے۔ رحمت الٰہی نے اپنی عظمت وکبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرانے کے لئے اپنے محبوب کو عالم بالا کی سیاحت کے

لئے بلایا تا کہ حضور ﷺ کو اپنے رب کریم کی تائید و نصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ظاہری ناسازگاری خاطر عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔ غور کیا جائے تو سفر اسری کے لئے اس سے موزوں ترین اور کوئی وقت نہیں ہو سکتا تھا۔

٭ اس سفر مقدس کا تفصیلی تذکرہ تو کتب حدیث و سیرت میں ملے گا۔ یہاں اجمالی طور پر ان امور کا ذکر کر دیا گیا ہے جو مختلف احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

حضور ﷺ ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادہ خداوندی سے آگاہ کیا۔ حضور ﷺ اٹھے چاہ زم زم کے قریب لائے گئے سینہ مبارک کو چاک کیا گیا قلب اطہر میں ایمان و حکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا اور پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لئے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم تھا۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو بھی باندھ دیا گیا۔ حضور ﷺ مسجد اقصی میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین حضور ﷺ کے لئے چشم براہ تھے۔ حضور ﷺ کی اقتداء میں سب نے نماز ادا کی اس طرح لتؤمنن بہ کا جو عہد روز اول ارواح انبیاء سے لیا گیا تھا (کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا) کی تکمیل ہوئی ازاں بعد موکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں ساتویں آسمان پر اپنے جد کریم حضرت خلیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیل نے مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح۔ یعنی اے نبی صالح! خوش آمدید۔ اے فرزند دلبند! مرحبا۔ کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور پر پشت لگائے بیٹھے تھے۔ حضور ﷺ آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہٰی تک پہنچے جو انوار ربانی کی تجلی گاہ تھی۔ جس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقاب ہمت یہاں آشیاں بند نہیں ہوا اور آگے

بڑھے کہاں تک گئے اسے ماوشما کیا سمجھیں زبان قدرت نے مقام قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے: کہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ وہاں کیا ہوا یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾

علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى۔ (سیرت النبی ج3)

اس مقام قرب اور گوشہ خلوت میں دیگر انعامات نفیسہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور ﷺ نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لئے التجاء کی۔ چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کر دی گئی اور ثواب پچاس کا ہی رہا۔ فراز عرش سے محبوب رب العالمین مراجعت فرمائے خاکدان ارضی ہوئے ابھی یہاں رات کا سماں تھا۔ ہر سو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سپیدہ سحر کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

واقعہ معراج کو انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ یہ مسافت بے شک بڑی طویل ہے اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب و غریب ہے اسی لئے وہ دل جو نور ایمان سے خالی تھے انہوں نے اسے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا۔ کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگائے گئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دلوں میں یقین کا چراغ ضوفشاں تھا انہیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا اور نہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغا آرائی سے وہ متاثر ہوئے بلکہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولا ﷺ نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔

اہل ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت و عدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا کہتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو

ناممکن خیال نہیں کرتے تھے ان کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارے وضع کئے ہوئے قوانین قواعد وضوابط اس کی قدرت کی بے کرانیوں کو محیط نہیں ہو سکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک وشبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

جب اس نے بتادیا کہ جس کی صداقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو علی کل شیء قدیر ہے۔ تو پھر وہ امکان وعدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں۔ اس لئے جب شب اسری کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایت ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے بعض نے صاف انکار کر دیا اور بعض نے بلا چون وچرا تسلیم کر لیا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔

لیکن آج صورت حال قدرے مختلف ہے ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات ونظریات رد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن وجمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں وہ دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا اس لئے ہمیں مختصراً تینوں گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرنا ہیں کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور اس کی شان کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجودات باعث تخلیق کائنات سیدنا ومولانا محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول

مانتے ہیں۔ان کے لئے تو واقعہ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں اس موقعہ پر اس آیت جلیلہ کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

آیت کا آغاز ''سبحان'' کے کلمہ سے کیا گیا یہ سبح یسبح تسبیحا باب تفعیل کے مصدر کا علم ہے اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرّا اور منزّہ ہے۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں: علم للتسبیح کعثمان لاجل و انتصابه بفعل مضمر ودل علی التنزیه البلیغ من جمیع القبائح التی یضیف الیه اعداء الله۔

(تفسیر کشاف، پ 15، الاسراء تحت آیۃ 1، ج 2، ص 646)

(یہ تسبیح مصدر کا علم ہے جس طرح عثمان (اس کا ہم وزن) کسی شخص کا علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں، عیبوں، کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جس سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے ہیں)۔

علامہ آلوسی نے حضرت طلحہ سے حضور نبی کریم ﷺ کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ تَفْسِيْرِ سُبْحَانَ اللّٰهِ فَقَالَ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ عَنْ كُلِّ سُوْءٍ۔

(روح المعانی، پ 15، الاسراء تحت آیۃ 1، الجزء الخامس والعشرون، ص 7)

(حضرت طلحہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سبحان اللہ کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہر عیب و نقص سے پاک ہونا مراد ہے)۔

سبحان کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص کمزوری بے بسی سے پاک ہے اس لئے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتا بطور دلیل ارشاد فرمایا: اَلَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ یعنی وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے کو رات کے قلیل وقت میں سیر کرائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات

کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بینات دکھائیں جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے واقعی اس کی قدرت بے پایاں اس کی عظمت بے کراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا اہم عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا اس لئے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

اسریٰ رات کو سیر کرنے کو کہتے ہیں۔ لیلا پر تنوین تقلیل کی ہے کہ یہ سفر رات کے وقت ہوا لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے ایک قلیل حصہ میں بڑے اطمینان و عافیت سے طے پایا۔

اسریٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے حضور ﷺ کا ذکر بعبدہ کے لفظ سے فرمایا گیا جس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ انہی میں سے ایک تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بے مثل رفعت شان اور علو مرتبت کو دیکھ کر امت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ بارگاہ صمدیت میں مقام قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: بِمَ اُشَرِّفُكَ يَا مُحَمَّدُ۔ اے سراپا حمد و ستائش! آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں۔

تو جواباً حضور ﷺ نے عرض کی بِنِسْبَتِيْ اِلَيْكَ بِالْعُبُوْدِيَّةِ۔ (مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما)۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب ﷺ نے اپنے لئے خود پسند فرمایا تھا۔

(تفسیر کبیر، پ15، الاسراء تحت آیۃ 1، ج7، ص292۔ روح المعانی پ15، الاسراء تحت آیۃ 1، الجزء الخامس عشر، ص8)

ان کلمات سے اس سفر کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ یہ سفر یوں نہیں کہ بھاگم بھاگ کرتے ہوئے حضور ﷺ گئے ہوں اور اس عجلت سے واپس آ گئے ہوں نہ کچھ دیکھا نہ سنا

بلکہ صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر گلشن ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت علم اور حکمت کے جتنے کرشمے تھے سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب ﷺ کو دکھا دیئے۔

اب آپ خود فرمایئے کہ جو معراج کو عالم خواب کا ایک واقعہ ان کے نزدیک یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور پاکی کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔

قرآن کا یہ اندازِ بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ عالم بیداری کا ہے اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رؤیا تھا یعنی خواب تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

یہاں رؤیا کا لفظ ہے اس کا معنی خواب ہے آیت کا مطلب ہوگا کہ ہم نے خواب آپ کو صرف اس لئے دکھایا تا کہ لوگوں کی آزمائش کی جا سکے۔ جب خود قرآن کریم نے تصریح کر دی ہے کہ یہ خواب تھا پھر اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے۔

اور اگر اس پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج کا ہی ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس کی تصریح کے بعد کوئی التباس باقی نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا: یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وما جعلنا الرؤیۃ الخ، الحدیث 4716، ج3، ص262)

علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے وَلَوْ كَانَتْ رُؤْيَا مَنَامٍ مَا افْتَتَنَ بِهَا اَحَدٌ وَلَا اَنْكَرَهَا فَاِنَّهٗ لَا يَسْتَبْعِدُ عَلٰى اَحَدٍ اَنْ يَّرٰى نَفْسَهٗ يَخْتَرِقُ السَّمٰوٰتِ وَيَجْلِسُ عَلَى الْكُرْسِيِّ وَيُكَلِّمُهُ الرَّبُّ۔ (احکام القرآن)

(اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا اور کوئی اس کا

انکار نہ کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو کبھی مستبعد اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔

یہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: ثُمَّ اِسْتَیْقَظْتُ وَاَنَا فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔

اس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمایئے خود بخود شبہ دور ہو جائے گا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: یہ الفاظ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شریک نے نقل کئے ہیں اور شریك لیس بحافظ عند اهل الحدیث۔

(روح المعانی، پ 15، الاسراء تحت آیۃ 1، الجزء الخامس عشر، ص 10-11)

کہ اہل حدیث کے نزدیک شریک حافظ حدیث نہیں ہے۔

دوسری روایت سنئے:

اِنَّ ھٰذَا اللَّفْظَ رَوَاہُ شَرِیْكٌ عَنْ اَنَسٍ وَکَانَ قَدْ تَغَیَّرَ بِاٰخِرِہٖ فَیُعَوَّلُ عَلٰی رِوَایَاتِ الْجَمِیْعِ۔ (احکام القرآن ابن عربی)

کہ یہ الفاظ شریک نے حضرت انس سے روایت کئے ہیں ان کا حافظہ آخر میں کمزور ہو گیا تھا اس لئے ان کی روایت کے بجائے ان روایات پر بھروسہ کیا جائے گا جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ابن شہاب، ثابت البنانی، اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

وَقَدْ رَوٰی حَدِیْثَ الْاِسْرَاءِ مِنْ اَنَسٍ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِیْنَ

وَالْاَئِمَّةِ الْمَشْهُوْرِیْنَ کَابْنِ شِهَابٍ وَثَابِتِ الْبُنَانِیِّ وَقَتَادَةَ فَلَمْ یَأْتِ اَحَدٌ مِنْهُمْ بِمَا اَتٰی بِهٖ شَرِیْكٌ۔

(روح المعانی، پ 15، الاسراء، تحت آیۃ 1، الجزء الخامس عشر، ص 10)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهٗ فِیْ حَدِیْثِ شَرِیْكٍ عَنْ اَنَسٍ ثُمَّ اسْتَیْقَظْتُ فَاِذَا اَنَا فِی الْحَجَرِ مَعْدُوْدٌ فِیْ غَلَطَاتِ شَرِیْكٍ۔

(ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے)۔

اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہ خیال تھا کہ یہ واقعہ خواب کا ہے۔ لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ہی ترجیح دی جائے گی۔

کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بالکل کمسن تھیں اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف باسلام ہی نہ ہوئے تھے۔

نیز ان صاحبان کی ذاتی رائے ہے حضور ﷺ کا ارشاد پاک نہیں۔

علامہ ابوحیان اس کے متعلق لکھتے ہیں:

وَمَا رُوِیَ عَنْ عَائِشَةَ وَعَنْ مُعَاوِیَةَ اَنَّهٗ کَانَ مَنَامًا فَلَعَلَّهٗ لَا یَصِحُّ وَلَوْ صَحَّ لَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِكَ حُجَّةٌ لِاَنَّهُمَا لَمْ یُشَاهِدَا ذٰلِكَ بِصِغَرِ عَائِشَةَ وَکُفْرِ مُعَاوِیَةَ وَلِاَنَّهُمَا لَمْ یُسْنِدَا ذٰلِكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا حَدَّثَا بِهٖ عَنْهُ

(البحر المحیط، پ 15، الاسراء، تحت آیۃ 1، ج 6، ص 5)

اس سلسلہ میں مقالات سرسید کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا انہوں نے بھی بڑی شد و مد کے ساتھ معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے ان کا مقالہ

پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین اور عیسائی مؤرخین کے اعتراض سے گھبرائے ہوئے ہیں اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن و تشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے اور عظمت مصطفوی ﷺ کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کے دلائل و براہین کو ہی کیوں نہ منہدم کرنا پڑے۔

آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب و نتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے۔ کیا معراج کا انکار کر کے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا ہے کیا آپ کی معذرت خواہی کو انہوں نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہار ناراضگی چھوڑ دیا ہے؟ ہرگز نہیں تو پھر اس محنت کا کیا حاصل بجز اس کے کہ ان صحیح واقعات کا انکار کر کے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے۔

ہاں میں اس طویل مقالہ کا ذکر کر رہا تھا اس میں حضرت سید نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں ایک دوسرے سے اس قدر متضاد اور متناقض ہیں کہ صراحۃً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت و اعتبار کو کھو دیتی ہیں۔ (مقالات سرسید: 762)

لیکن تناقض و تضاد کے جو نمونے انہوں نے ذکر کئے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ اس وقت حطیم میں تھے دوسرے میں ہے کہ حجر میں تھے، تیسری میں ہے کہ مسجد حرام میں تھے وغیرہ ذرا غور کیجئے ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام ہیں۔ یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا اور قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا یہ حصہ (حطیم یا حجر) مسجد حرام میں ہے تو ان روایات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے ثُمَّ صُعِدَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاِذَا مُوْسٰی

پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔

(صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب المعراج، الحدیث ،3887 ج 2 ص584)

دوسری حدیث میں ہے ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاِذَا اَنَا بِمُوْسٰی - فَرَحَّبَ لِیْ وَدَعَالِیْ۔ پھر ہمیں چھٹے آسمان پر اوپر لایا گیا وہاں میں نے موسیٰ علیہ السلام کو پایا انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعا کی۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء الخ، الحدیث،162 ص98)

تیسری خدیث میں ہے: لما جاوزت فبکی۔ جب میں آگے بڑھا تو موسی علیہ السلام رو پڑے۔ (المرجع السابق، الحدیث،164 ص102)

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس کے متعلق خود علماء نے تصریح کی ہے اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو خود ترجیح دے دی ہے۔ جو تضاد ممتنع ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں۔ کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جاسکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جاسکتا ہو۔ بہر حال یہ ان لوگوں کے شکوک وشبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

اب ذرا ان حضرات کے ارشادات کی طرف توجہ فرمایئے:

جو معجزہ معراج اور دیگر معجزات کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ خلاف عقل ہیں۔ ان لوگوں کا دعوی یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام اس میں یہ بے عدیل ارتباط اور موزونیت، بے مثل ترتیب ویکسانیت اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہ نظام چند قوانین اور ضوابط کے مطابق عمل پیرا ہے جنہیں قوانین فطرت کہا جاتا ہے۔

(LAW OF NATURE) اور فطرت کے مطابق قانون اٹل ہیں ان میں رد وبدل ممکن نہیں۔ ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اس لئے عقل معجزات کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ معراج بھی ایک معجزہ ہے اس لئے یہ بھی عقلاً محال ہے۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ علماء اسلام نے معجزہ کی جو تعریف کی ہے وہ یہ نہیں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو قوانین فطرت کے خلاف ہو اور نوامیس قدرت سے برسر پیکار ہو۔ بلکہ معجزہ کی تعریف یہ ہے:

اَلْاِتْیَانُ بِاَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ یُقْصَدُ بِهٖ بَیَانُ صِدْقِ مَنِ ادَّعٰی اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(المسامرة بشرح المسایرة، المعجزة ووجہ دلالتہا علی النبوة، ص240)

(مدعی رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو اسے معجزہ کہتے ہیں)۔

یہ تعریف نہیں کی گئی کہ معجزہ وہ ہے جو قانون فطرت اور نوامیس قدرت کے خلاف ہو ان لوگوں کا اعتراض تب قابل التفات ہوتا ہے جب معجزہ کو نوامیس فطرت کے خلاف مانا جاتا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معجزات قانون فطرت کے مطابق ہی رو پذیر ہوئے ہوں۔ لیکن ابھی تک وہ قانون فطرت ہمارے ادراک کی سرحد سے ماوراء ہو۔ یہ دعوی کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین بے نقاب ہو چکے ہیں اور ذہن انسانی نے ان کا احاطہ کرلیا ہے انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول ہے۔ آج تک کسی فلسفی نے یا سائنسدان نے اس بات کا دعوی نہیں کیا۔

نیز قوانینِ فطرت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اٹل اور غیر متغیر ہیں یہ بھی نا قابل تسلیم ہے۔ یہ خیال تب قابل تسلیم ہوتا جب ان قوانین کو ہر قسم کے نقص اور عیب سے مبرا سمجھا جائے اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کیا جائے کہ اس کائنات کی آرائش وزیبائش کے لئے یہی قوانین کفایت کرتے ہیں لیکن اہل خرد کے نزدیک یہ خیال محل نظر ہے۔

چنانچہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ (MIRACLE) پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

(یعنی یہ ایک غیر معقول تصور اور خوش فہمی ہے کہ جو یہ خیال کرتی ہے کہ فطرت کا طریق کار استاد دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں)۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں یا نہیں؟

اگر آپ منکر ہیں تو آپ سے معجزات کے متعلق بحث عبث اور قبل از وقت ہے۔ پہلے آپ کو وجود خداوندی کا قائل کرنا پڑے گا اس کے بعد معجزات کے اثبات کا مناسب وقت آئے گا اور اگر آپ وجود خداوندی کے قائل تو ہیں لیکن آپ کا تصور یہ ہے کہ خدا اور فطرت (NATURE) ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا آپ خدا کو خالق کائنات تو مانتے ہیں لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کا رب اپنی پیدا کردہ دنیا میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کرسکتا بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر وشر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ کر نہیں سکتا تو پھر معجزہ کے انکار کی وجہ سمجھ آسکتی ہے۔ لیکن آپ اگر ذات خداوندی کے قائل ہیں اور اسے خالق ماننے کے ساتھ ساتھ قادر مطلق، مدبر بااختیار بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی پتہ اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کرسکتا تو پھر آپ کا نوامیس فطرت کو غیر متغیر یقین کرنا اور اس بنا پر معجزات کا انکار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ علت ومعلول اور سبب ومسبب کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے اور ظہور معجزہ کے وقت اس نے اپنی قدرت اور حکمت کے پیش نظر خلاف معمول اس تسلسل کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ ایک بااختیار ہستی ہے وہ جب چاہے اپنے معمول کو بدل دے۔

ایک شخص کو سالہا سال کی عادت یہ ہے کہ وہ رات کو دس بجے روزانہ سوتا ہے اور صبح چار بجے بیدار ہوتا ہے اگر کسی روز آپ اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں تو اس مشاہدہ کا آپ انکار نہیں کرسکتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج خلاف معمول فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے۔

اسی طرح ان قوانین فطرت کو عادت خداوندی اور معمول ربانی سمجھنا چاہئے کہ کسی چیز کا خلاف معمول وقوع پذیر ہونا قطعاً اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

(یعنی قوانین فطرت کو ہم عادات خداوندی کہہ سکتے ہیں معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیش نظر خلاف عادت ایسا کیا ہے

اور یہ قطعاً ناروا نہیں)۔

مغربی فلاسفہ میں سے ھیوم (DAVID HUME) نے معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی شد و مد سے انکار کیا ہے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے جو طریقہ اس نے اختیار کیا وہ توجہ طلب ہے۔ وہ کہتا ہے:

"ہمارا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ عالم ایک مخصوص نہج اور متعین انداز کے مطابق چل رہا ہے اور معجزات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف رونپذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر معجزہ کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل و براہین سے جب تک زیادہ قوی اور مضبوط نہ ہوں اس وقت تک ہم معجزہ کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ثبوت معجزہ کے لئے ایسی وزنی دلائل موجود نہیں اس لئے عقلاً معجزہ کا امکان تسلیم کرنے کے باوجود ہم ان کے وقوع کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار ھیوم کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہم تمہارا یہ عقیدہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں کیونکہ تجربات سے تمہاری مراد کیا ہے؟ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ کلیہ محتاج دلیل ہے پہلے آپ یہ تو ثابت کر لیں کہ آپ نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ معجزہ ان تمام تجربات کے خلاف ہے۔ جب تک آپ اپنی دلیل کی کلیت ثابت نہیں کر سکتے اس وقت تک آپ کی دلیل قابل قبول نہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ تجربات سے مراد تجربات عامہ ہیں یعنی معجزہ تجربات عامہ کے خلاف ہے تو پھر اس سے فقط اتنا ہی ثابت ہوا کہ معجزہ عام تجربات اور معمولات کے خلاف ہے۔ تمام تجربات مشاہدات کے مخالف ہونا تو لازم نہ آیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزہ کسی تجربہ کے مطابق ہو لیکن وہ تجربہ آپ کی فہم کی رسائی سے ابھی بلند ہو۔ (انسائیکلو پیڈیا ج 15 ص 586)

ارشاد احمد امین مصری، ھیوم کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ھیوم نے اپنے ایک مقالہ (OF MIRACLE) میں معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی کوشش سے

ان کا بطلان ثابت کیا ہے اس میں اس نے لکھا ہے کہ کیونکہ معجزات ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں اس لئے ناقابل تسلیم ہیں۔

استاد موصوف لکھتے ہیں:

''ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ھیوم سے پوچھیں کہ ایک طرف تو تمہارا یہ دعوی ہے کہ علت ومعلول اور سبب ومسبب کا حقیقت الامر سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ بار ہا ہم مشاہدہ کرتے آئے ہیں کہ ایسا ہو تو یوں ہو جاتا ہے اس لئے ہم نے ایک چیز کو دوسری چیز کی علت فرض کر لیا حالانکہ حقیقت میں اس کا علت ہونا ضروری نہیں اور دوسری طرف تم معجزہ کا انکار اس اساس پر کرتے ہو کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے جب تمہارے نزدیک علیت اور معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں ہر چیز بغیر تحقیق علت وقوع پذیر ہو رہی ہے اور کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہو جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں تو کونسی قباحت ہو گئی پہلے بھی جتنی چیزیں معرض وجود میں آئیں وہ علت حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں اور یہ امر بھی بغیر علت کے ظاہر ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اتنا غلو کرتے ہو کہ تمہیں اپنے فلسفہ کی بنیاد بھی سرے سے فراموش ہو گئی''۔

(قصۃ الفلسفہ الحدیثہ، ج1، ص245)

اور بعض صاحبان نے اپنے جذبہ تجسس کو یہ تھپکی دے کر سلا دیا کہ ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ معجزات محض عقیدتمندوں کے جوش عقیدت کی کرشمہ سازیاں ہیں اور انہوں نے معمولی اور عادی القاب کو مبالغہ آمیزی سے اس طرح بیان کیا کہ انہیں خرق عادت بنا کر رکھ دیا جو لوگ تحقیق وجستجو کی خارزار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت برداشت نہ کرنا چاہتے ہوں تو ان کے لئے محفوظ اور آسان ترین یہی طریقہ کار ہے لیکن کیا یہ کسی مشکل کا حل ہے کیا اس سے کوئی عقدہ لاینحل کھل سکتا ہے یہ غور طلب ہے۔

آخر میں میں ایک اہم مقالہ کی طرف اشارہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں معجزات کے بارے میں محترم سرسید احمد خان نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ

اس وقت تک معجزہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ قوانین قدرت کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ کسی قانون قدرت کے مطابق ہو گا تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے معجزہ کا خلاف قانون ہونا ضروری ہے۔ قوانین قدرت اٹل ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردو بدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے کیونکہ نصوص قرآنیہ میں بارہا یہ تصریح کی گئی ہے کہ قانون قدرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اس لئے ثابت ہوا کہ معجزہ کا وقوع باطل ہے۔

آپ نے سید محترم کا استدلال ملاحظہ کیا انہوں نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا بطلان کیا ہے حالانکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ علماء اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانین فطرت کے خلاف ہو بلکہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو خارق عادت ہو نیز معجزات کو قوانین فطرت کے خلاف کہنے کا دعوی تو تب درست ہو سکتا ہے جبکہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کا احاطہ کرنے کا دعوی تو کوئی ثابت کر لے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سنن الٰہیہ کے خلاف ٹھہرانا سراسر لغو ہے۔

بہر حال جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اس کے قادر مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامہ خیر و شر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبض ہستی محو خرام ہے اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہئے جو صحیح ،قابل وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔

قرآن کریم میں حضور سرور کائنات ﷺ کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلا چون و چرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے وہ سچ ہے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

رؤیت باری تعالیٰ ضیاء القرآن کی روشنی میں

ارشاد الٰہی ہے: مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ (النجم)

(نہ درماندہ ہوئی چشم مصطفیٰ اور نہ (حد ادب) سے آگے بڑھی)۔

اس مقام پر انہی آیات کی تشریح کرتے ہوئے علماء مفسرین نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ کیا حضور نبی کریم ﷺ کو شب معراج دیدار الٰہی نصیب ہوا یا نہیں؟

لیکن حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ تابعین اور ان کے ہمنواؤں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج اپنے محبوب مکرم ﷺ کو دولت دیدار سے مشرف فرمایا۔

آیئے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین

جہاں تک امکان رؤیت کا تعلق ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے اگر ممکن نہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے۔ کیونکہ انبیاء کرام کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز محال اور ممتنع اور محال کے بارے میں سوال کرنا درست ہی نہیں ہوتا۔

پہلے وہ دلائل پیش کریں گے جن سے رؤیت باری تعالیٰ کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ وَفِیْ قَوْلِهٖ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ اَنَّهٗ رَاٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهٗ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب فکان قاب قوسین، الحدیث 4856، ج3، ص337)

(حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان آیات کے بارے میں فرمایا ہے۔ حضور ﷺ نے جبرائیل کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔

(۲) مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جِبْرَئِيْلَ فِیْ حُلَّةٍ مِنْ رَفْرَفٍ قَدْ مَلَاَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔

(سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ النجم، الحدیث 3294، ج5، ص186)

(حضرت ابن مسعود نے اس آیت کی یوں تشریح فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل کو ایک ریشمی حلہ (پوشاک) میں دیکھا آپ نے آسمان وزمین کے مابین خلا کو پر کر دیا)۔

(۳) وَلِلْبُخَارِیْ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی قَالَ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ رَاٰی رَفْرَفًا اَخْضَرَ قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب لقد رأی من ایٰت، الحدیث 4858، ج3، ص337)

ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمان کے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔

(۴) عَنِ الشَّعْبِیْ قَالَ لَقِیَ اِبْنُ عَبَّاسٍ کَعْبًا بِعَرَفَةَ فَسَاَلَهٗ عَنْ شَیْءٍ۔ فَکَبَّرَ حَتّٰی جَاوَبَتْهُ الْجِبَالُ فَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ اَنَا بَنُوْ هَاشِمٍ فَقَالَ کَعْبٌ اِنَّ اللّٰهَ قَسَّمَ رُؤْیَتَهٗ وَکَلَامَهٗ بَیْنَ مُحَمَّدٍ وَمُوْسٰی ۔فکلم مُوْسٰی وَرَآهُ مُحَمَّدٌ مَرَّتَیْنِ۔ قَالَ مَسْرُوْقٌ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ فَقُلْتُ هَلْ رَاٰی مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ فَقَالَتْ لَقَدْ تَکَلَّمْتَ بِشَیْءٍ قَفَّ لَهٗ شَعْرِیْ قُلْتُ رُوَیْدًا ثُمَّ قَرَاْتُ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی فَقَالَتْ اَیْنَ یُذْهَبُ بِکَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرَئِیْلُ مَنْ اَخْبَرَکَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَةَ وَلٰکِنَّهٗ رَاٰی جِبْرَئِیْلَ وَلَمْ یَرَهٗ فِیْ صُوْرَتِهٖ اِلَّا مَرَّتَیْنِ ۔ مَرَّةً عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی وَمَرَّةً فِیْ جِیَادٍ قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ۔ (سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ النجم، الحدیث 3289، ج5، ص184)

(شعبی کہتے ہیں کہ عرفہ کے میدان میں ابن عباس نے کعب کے ساتھ ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا حضرت کعب نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی ان کی حیرت کو دیکھ کر ابن عباس نے کہا کہ ہم بنو ہاشم، ہمارا تعلق خاندان نبوت سے ہے۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں تو کعب نے کہا: گویا یہ حضرت ابن عباس کے سوال کا جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسی نے کلام فرمایا اور محمد مصطفی ﷺ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ علیہم السلام۔

مسروق کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا کیا حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ بولیں تو نے ایسی بات کی جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے عرض کی مادر محترم! ذرا ٹھہریئے پھر میں نے یہ آیت پڑھی لَقَدْ رَاٰی الخ۔ الایۃ آپ نے فرمایا تم کدھر جا رہے ہو؟ اس سے مراد تو جبرائیل علیہ السلام ہیں جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔ بلکہ حضور نے جبرائیل کو دیکھا اور اس کی اصل صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ان کو ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور دوسری بار جیاد کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ وَقَالَتْ يَا اَبَا عَائِشَةَ ثَلَاثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ قُلْتُ مَا هُنَّ۔ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهٗ وَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللهِ الْفِرْيَةَ قَالَ وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْظِرِيْنِيْ وَلَا تَعْجَلِيْنِيْ اَلَمْ يَقُلِ اللهُ عزوجل وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى فَقَالَتْ اَنَا اَوَّلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرِيْلُ لَمْ اَرَهٗ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَاَيْتُهٗ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهٖ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ فَقَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللهَ يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللهَ يَقُوْلُ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا الآیۃ۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی ولقد رأی الخ، الحدیث 177، ص 107)

(مسروق سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں ام المومنین کی خدمت میں حاضر تھا تو

آپ نے فرمایا: اے مسروق! (ابوعائشہ ان کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا: جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی اے ام المؤمنین! میری طرف دیکھئے جلدی نہ کیجئے اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾

(آپ نے افق مبین میں دیکھا (اور دوبار دیکھا)۔ آپ نے جواب دیا اس امت سے پہلی میں ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا حضور ﷺ نے فرمایا: وہ جبرائیل علیہ السلام ہیں میں نے ان کو اصل شکل میں صرف دوبار دیکھا۔ اے مسروق! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

(کہ آنکھیں اس کو نہیں پاسکتیں وہ آنکھوں کو پالیتا ہے وہ لطیف وخبیر ہے۔)

اور کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا: ماکان لبشر۔ الآیۃ کسی انسان کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔

(۵) رَوَى الشَّيْخَانِ قَالَ مَسْرُوْقٌ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَيْنَ قَوْلُهُ ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى قَالَتْ ذٰلِكَ جِبْرَئِيْلُ كَانَ يَأْتِيْهِ فِيْ صُوْرَةِ رَجُلٍ وَاِنَّهُ اَتَاهُ فِيْ هٰذِهِ الْمَرَّةِ فِيْ صُوْرَتِهِ الَّتِيْ هِيَ صُوْرَتُهُ فَسَدَّ الْاُفُقَ۔

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم امین الخ، الحدیث 3235، ج2، ص388)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ ابن مسعود کی بھی یہ رائے تھی۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ بھی اس بارے میں بڑی متشدد تھیں انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے دو آیات سے استدلال بھی کیا۔

دیدارِ الٰہی کے قائلین کے دلائل

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَيْنِ۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل الخ، الحدیث 176 ج ص 107)

(حضرت ابن عباس نے اُن آیات کے بارے میں فرمایا: کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ کیا)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَاٰى مُحَمَّدٌ ﷺ رَبَّهٗ۔ قَالَ عِكْرِمَةُ قَالَتْ اَلَيْسَ اللّٰهُ يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ قَالَ وَيْحَكَ ذٰلِكَ اِذَا تَجَلّٰى بِنُوْرِهِ الَّذِیْ هُوَ نُوْرُهٗ وَقَدْ رَاٰى رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ۔

(سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ النجم، الحدیث، 3290، ج 5، ص 185)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ (آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا: افسوس تم سمجھے نہیں۔ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ابن عمر دریں مسئلہ مراجعت بوے کردہ، پرسید کہ ھل رأی محمد ربہ پس وے گفت رآہ۔ پس ابن عمر تسلیم نمودہ وقطعا براہ تردد وانکار نرفتہ۔

(اشعۃ اللمعات، کتاب الفتن، باب رویۃ اللہ، ج ۴، ص 455، فارسی)

(حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ پس ابن عباس نے جواب

دیا کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عمر نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردد وانکار کا راستہ اختیار نہیں کیا)۔

(۲) علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں درج ذیل روایات نقل کرتے ہیں:

رَوٰی ابنُ خُزَیْمَةَ بِاِسْنَادٍ قَوِیٍّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَأٰی مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ وبهٖ قَالَ سَائِرُ أَصْحَابِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَكَعْبِ الْاَحْبَارِ وَالزُّهْرِیِّ وَصَاحِبِهٖ مَعْمَرٌ۔

(عمدۃ القاری، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ النجم، الحدیث 4855، ج12، ص350)

(ابن خزیمۃ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے کہا: حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اسی طرح ابن عباس کے شاگرد، کعب احبار زہری اور معمر کہا کرتے تھے)۔

(۳) اَخْرَجَ النِّسَائِیُّ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ اَيْضًا مِنْ طَرِيْقِ عِكْرَمَةَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ أَتُعْجِبُوْنَ اَنْ تَكُوْنَ الْخُلَّةُ لِاِبْرَاهِيْمَ وَالْكَلَامُ لِمُوْسٰى وَالرُّؤْيَةُ لِمُحَمَّدٍ ﷺ۔

(فتح الباری، کتاب التفسیر، سورۃ النجم، تحت الحدیث 4855، ج9، ص525)

(یہ روایت نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ عکرمہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے آپ کہا کرتے کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے لئے کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور دیدار کی سعادت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ہو)۔

(۴) امام مسلم ابوذر سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ اِنِّیْ اَرَاهُ۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قولہ علیہ السلام نور انی، الحدیث 178، ص109)

اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا: نورٌ اِنِّی اراہ اور دوسرا نورانیٌ اراہ۔ پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ نور ہے میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ دوسری

صورت میں معنی یہ ہوگا وہ سراپا نور ہے میں نے اسے دیکھا۔

(۵) مسلم کے اسی صفحہ پر ایک اور روایت ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ ذَرٍّ لَوْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَسَاَلْتُهُ فَقَالَ عَنْ اَيِّ شَيْءٍ كُنْتَ تَسْاَلُهُ۔ قَالَ كُنْتُ اَسْاَلُهُ هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ قَدْ سَاَلْتُهُ فَقَالَ رَاَيْتُ نُوْرًا۔ (المرجع السابق)

(میں نے نور دیکھا ہے یہ روایت بھی دوسری توجیہہ کی تائید کرتی ہے)۔

(۶) حکیٰ عَبْدُ الرزاق عَنِ الْحَسَنِ اَنَّهُ كان يَحْلِفُ بِاللّٰه لقد رأى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ۔

(عمدۃ القاری ، کتاب بدء الخلق ، باب اذا قال احدکم آمین الخ ، تحت الحدیث 3234 ، ج 10 ، ص 589)

کہ حسن بصری اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔

(۷) اخرج ابن خزیمۃ عن عروۃ بن زبیر اثباتا۔

(عروہ بن زبیر سے ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رویت کے قائل تھے)۔

(۸) علامہ ابن حجر نے امام احمد کے بارے میں لکھا:

فَرَوَى الْخَلَّال فِيْ كِتَابِ السُّنَّةِ عَنِ الْمَرْوَزِيْ قُلْتُ لِاَحْمَدَ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاَى رَبَّهُ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ فَبِاَيِّ شَيْءٍ يَدْفَعُ قَوْلَهَا۔ قَالَ بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ رَاَيْتُ رَبِّيْ۔ قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ اَكْبَرُ مِنْ قَوْلِهَا

(فتح الباری ، کتاب التفسیر ، سورۃ النجم ، تحت آیت ، 4855 ج 9 ص 525)

(مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام (احمد سے کہا: کہ لوگ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین یہ کہا کرتی تھیں کہ جس نے یہ کہا: حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا اہتان باندھا ہے۔ تو حضرت عائشہ نے اس قول کا کیا جواب دیا جائے؟

آپ نے فرمایا: حضور ﷺ کے اس ارشاد کے ساتھ رَاَيْتُ رَبِّيْ۔

کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور حضور نبی

کریم ﷺ کا ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بہت بڑا ہے۔

یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلین رویت کی طرف سے بطور استدلال پیش کیے جاتے ہیں ان میں صحابہ مثلاً ابن عباس، کعب احبار، انس، ابوذر کے علاوہ کبار تابعین، عروہ بن زبیر، حسن بصری، عکرمہ جیسے اکابر تابعین بھی موجود ہیں۔ اور حضرت امام احمد کا قول بھی آپ سن چکے ہیں۔ ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ان تمام دلائل کو باتفصیل پیش کرنے کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

إِذَا صَحَّتِ الرِّوَايَاتُ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ فِيْ إِثْبَاتِ الرُّؤْيَةِ وَجَبَ الْمَصِيْرُ عَلٰى إِثْبَاتِهَا فَإِنَّهَا لَيْسَتْ مِمَّا يُدْرَكُ بِالْعَقْلِ وَيُؤْخَذُ بِالظَّنِّ فَإِنْ يَتَلَقّٰى بِالسَّمَاعِ وَلَا يَسْتَجِيْزُ أَحَدٌ أَنْ يَظُنَّ بِابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَكَلَّمَ بِهٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ بِالظَّنِّ وَالْاِجْتِهَادِ ثُمَّ أَنَّ اِبْنَ عَبَّاسٍ أَثْبَتَ شَيْئًا نَفَاهُ غَيْرُهُ۔ وَالْمُثْبِتُ مُقَدَّمٌ عَلَى النَّافِيْ۔

(شرح المسلم للنووی، کتاب الایمان، اثبات رؤیۃ اللہ سبحانہ وتعالیٰ، ج 2، الجزء الثالث، ص 5)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب صحیح روایات ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بناء پر کہی ہو یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بناء پر ایسا کہا ہوگا۔ نیز ابن عباس ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے)۔

خلاصہ کلام کو علامہ نووی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اَلْحَاصِلُ وَاَنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ رَاٰى رَبَّهٗ بِعَيْنِ رَاْسِهٖ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ۔۔۔۔ وَهٰذَا مِمَّا لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَتَشَكَّكَ فِيْهِ۔ (المرجع السابق)

کہ حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

علامہ نووی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت صدیقہ نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ محض اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا اس پر علامہ ابن حجر نے کہا کہ صحیح مسلم جن کی شرح علامہ نووی کر رہے ہیں۔

اسی کے اگلے صفحہ پر حدیث مرفوع موجود ہے ام المؤمنین نے فرمایا کہ میں نے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾ اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا: جبرائیل امین تھے۔ جب کہ مسلم میں یہ حدیث موجود ہے تو حیرت ہے کہ شارح مسلم علامہ نووی نے کیسے انکار کیا۔

علامہ ابن حجر کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾ کے بارے میں استفسار کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: کہ وہ جبرائیل امین ہیں اور یہ بلاشبہ درست ہے کیونکہ یہ آیت سورۃ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت جبرائیل امین کا ہی ذکر ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾

(التکویر)

یہ سارا ذکر جبرائیل امین کا ہے۔

ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب انہیں ان کی اصل صورت میں دیکھنے کی خواہش کی تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے وہ افق جہاں جبرائیل امین نمودار ہوئے اسے افق مبین کہا گیا۔

لیکن یہاں جس افق کا ذکر ہے وہ ھو بالافق الاعلی ہے۔ آسمان زمین کے افق کو افق مبین تو کہتے ہیں لیکن افق اعلی وہ ہوگا جو تمام آفاق سے بلند تر ہو۔ یعنی فلک الافلاک کا کنارہ اس لئے امام نووی کا قول ہی درست ہے۔ کہ شب معراج نفی رؤیت کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر و تشریح سے فارغ ہونے کے بعد دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے یوں بیان کرتے ہیں:

وَاَنَا اَقُوْلُ بِرُؤْيَتِهٖ ﷺ رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَبِدُنُوِّهٖ مِنْهُ سُبْحَانَهٗ عَلَى الْوَجْهِ الْاَلْيَقِ۔ (روح المعانی، پ 27، النجم تحت آیۃ 18، الجزء السابع والعشرون، ص 77)

میں کہتا ہوں کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور ﷺ کو قرب الٰہی نصیب ہوا لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا تو آپ جواب میں فرماتے

رَاٰهُ رَاٰهُ حَتّٰى يَنْقَطِعَ نَفَسُهٗ (المرجع السابق، ص 76)

ہاں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہاں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہرایا کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔

مولانا سید انور شاہ اس مسئلہ پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

ولکنه ﷺ تشرف برؤيته تعالیٰ ومن عليه ربه بها وكرمه وتفضل عليه بنواله وافاض عليه من افضاله فرآه رأه كما قال احمد رحمة الله عليه مرتين الا انه رآه كما يرى الحبيب الى الحبيب والعبد الى مولاه لا هو عليك ان يكف عنه نظره ولا هو يستطيع ان يشخص اليه بصره وهو قوله تعالیٰ ما زاغ البصر وما طغى۔

(فیض الباری شرح بخاری)

(حضور ﷺ نے دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس دولت سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل واحسان۔ سے عزت افزائی فرمائی۔ پس حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا جس طرح امام احمد نے فرمایا ہے مگر یہ دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے نہ وہ آنکھیں بند کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے

کہ ٹکٹکی باندھ کر روئے دلدار کو دیکھتا رہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات (جلد چہارم) میں اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے اس قول کو پسند فرمایا ہے کہ:

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔

عقیدہ علم غیب تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں

(۱) وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء)

(اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت۔ اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

عنایات ربانی میں سے خاص خاص عنایات کا ذکر فرما دیا کہ آپ کو کتاب و حکمت دی۔ آپ کو جملہ ان امور کا علم عطا فرمایا جس کا پہلے آپ کو علم نہ تھا۔

آیت کے اس حصہ کی جو تفسیر امام المفسرین ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اسی کے لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

وَمِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ مَعَ سَائِرِ مَا تَفَضَّلَ بِهٖ عَلَيْكَ مِنْ نِعَمِهٖ اَنَّهٗ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَهُوَ الْقُرْآنُ الَّذِيْ فِيْهِ بَيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ وَالْحِكْمَةَ يَعْنِيْ وَاَنْزَلَ عَلَيْكَ مَعَ الْكِتَابِ الْحِكْمَةَ وَهِيَ مَا كَانَ فِي الْكِتَابِ مُجْمَلًا ذِكْرُهٗ مِنْ حَلَالِهٖ وَحَرَامِهٖ وَنَهْيِهٖ وَاَحْكَامِهٖ وَ وَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مِنْ خَبَرِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَمَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ۔ (تفسیر الطبری، النساء، تحت الآیۃ 113، ج4، ص275)

(اے مصطفی ﷺ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں احسانات سے آپ پر یہ بھی احسان فرمایا کہ آپ کو قرآن جیسی کتاب سے نوازا جس میں ہر چیز کا بیان ہے نیز اس میں

ہدایت کا نور بھی ہے اور پند و نصیحت بھی۔ ایسی جامع کتاب کے ساتھ حکمت یعنی قرآن کے حلال و حرام، امر و نواہی وغیرہ کے اجمال کی تفصیل بھی نازل کی۔ نیز آپ کو ان امور کا علم عطا فرمایا جن کا پہلے آپ کو علم نہ تھا۔ یعنی گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں کی خبروں کا علم جو کچھ ہو چکا (ماکان) اور جو کچھ ہونے والا (ماھو کائن) ہے اس کا علم بھی عنایت فرمایا)۔

امام ابن جریر کے یہ الفاظ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو علم ماکان و ماھو کائن عطا فرمایا بعینہٖ یہی الفاظ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو زید عمرو بن اخطب سے روایت کئے ہیں پوری حدیث پاک مع ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے:

حَدَّثَنِیْ اَبُوْ زَیْدٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔

(صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب اخبار النبی ﷺ فیما الخ، الحدیث 2892 ج 2: ص 1546)

ابو زید عمرو بن اخطب فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت ہو گیا حضور منبر سے اترے نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ شروع کیا یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا حضور نیچے تشریف لائے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اپنا خطبہ جاری رکھا اور یہ غروب آفتاب تک جاری رہا۔ اس طویل خطبہ میں جو (صبح سے شام تک) جاری رہا حضور ﷺ نے ہمیں ماکان (جو کچھ پہلے گزر چکا تھا) کی بھی خبر دی اور ماھو کائن (جو کچھ ہونے والا تھا) اس کی بھی خبر دی ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جسے یہ خطبہ زیادہ یاد ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار صحیح احادیث ہیں جس سے حضور پر نور ﷺ کے علم وسیع کا پتہ چلتا ہے۔

امام بوصیری رضی اللہ عنہ نے شاعرانہ مبالغہ سے کام نہیں لیا تھا بلکہ حقیقت کا اظہار فرمایا

تھا۔ جب انہوں نے اپنے مشہور قصیدہ میں بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کی تھی:

وَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

(اے نبی رحمت ﷺ! دنیا و آخرت آپ کی ہی سخاوت ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے بحر بیکراں کا ایک حصہ ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا علم ما کان و ما یکون کے علم میں منحصر نہیں ہے کہ مساوات کا شبہ ہو بلکہ اس علم کو تو علم الٰہی سے اتنی نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے۔

(۲) قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل: آیت 65)

(آپ فرمائیے: (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے)۔

اگر غور و فکر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر اس آیت کا ترجمہ کیا جائے تو اس کا یہ ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو مخلوق بھی ہے وہ غیب کو نہیں جانتی حالانکہ قرآن کریم کی بیشمار آیتوں سے ہمیں فرشتوں کا نزول وحی کا، قیامت، جنت و دوزخ کا علم ہے اور ان پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ یہ تمام عالم غیب کی چیزیں ہیں نیز کثیر آیات اور ہزاروں صحیح احادیث سے حضور اکرم ﷺ کا امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے اس لئے ہمیں اس آیت میں غور کرنا چاہیے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے اور جتائے بغیر کوئی بھی غیب پر آگاہ نہیں ہوسکتا۔ خود قرآن کریم نے بھی اس قول کی تصدیق کی۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن)

(اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے)۔

اس آیت نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی دوسرے تمام صفات کی طرح اس کی یہ صفت بھی

قدیم ہے اور ذاتی ہے اور غیر متناہی ہے یعنی ایسا نہیں کہ وہ پہلے کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اور اب جاننے لگا ہے۔ بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اس کی حین میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اپنے علم تفصیلی سے جانتا ہے نیز اس کا یہ علم اس کا اپنا ہے کسی نے اس کو سکھایا نہیں نیز اسکے علم کی نہ کوئی حد ہے نہ نہایت۔ اگر کوئی شخص کما یا کیفا یعنی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی کے لئے اثبات کرے تو وہ ہمارے نزدیک شرک کا مرتکب ہوگا۔

اس لئے حضور پرنور امام الاولین والآخرین ﷺ کا علم مبارک خداوند کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کے تعلیم کرنے سے حاصل ہوا۔ خداوند کریم کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا۔ نیز حضور سرور دوعالم ﷺ کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح غیر متناہی اور غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ حضور فخر موجودات ﷺ کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے۔

ہاں اتنا فرق ضرور ہے حضور ﷺ کا یہ حادث، عطائی اور محدود علم اتنا محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے اس کی وسعتوں کو یا دینے والا جانتا ہے یا لینے والا یا سکھانے والے کو پتہ ہے یا سیکھنے والے کو ہم تم تو کس گنتی میں ہیں۔ جبرائیل امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتا۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى۔ (اس نے وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی)۔ علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بیکرانیاں جن پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے ان کی حد برابری ہم کرنے لگیں تو ٹھوکریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا؟

اس تلمیذ رحمان نے اپنی زبان حق ترجمان سے ہمیں خو[illegible] کچھ بتایا ہے ہم اس کو حق تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر ہمارا ایمان ہے اسی کی زبان سے نکلا ہوا یہ قول طیب ہم نے سنا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰى قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ۔ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ

بَرْدَھَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

(سنن الدارمی، کتاب الرؤیا، باب فی رؤیۃ الرب تعالیٰ، الحدیث ،2149ج 2،ص170)

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی زیارت کی بڑے حسین اور پیاری صورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کس معاملہ میں ملاء اعلیٰ (کے فرشتے) جھگڑ رہے ہیں میں نے عرض کی: یااللہ تو بہت بہتر جانتا ہے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی جس کی ٹھنڈک میں نے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں تھا اور زمین میں تھا)۔

اس حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ محقق محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

پس دانستم ہر چہ در آسمان ہا و ہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آن۔ (اشعۃ اللمعات، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد، الفصل الثانی، ج 1،ص357)

(پس جو چیز آسمانوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا اور جو چیز زمینوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس ارشاد نبوی ﷺ کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزوی اور کلی مجھے حاصل ہو گئے اور ان کا میں نے احاطہ کر لیا)۔

علامہ ملا علی القاری علیہ الرحمۃ اپنی کتاب المرقاۃ شرح المشکوٰۃ میں پہلے اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہیں اس کے بعد شارح بخاری علامہ ابن حجر کا قول نقل کرتے ہیں۔

میں یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقط علامہ ابن حجر کے قول پر اکتفاء کرتا ہوں:

قَالَ ابْنُ حَجَرٍ اَیْ جَمِیْعُ الْکَائِنَاتِ الَّتِیْ فِی السَّمٰوٰتِ بَلْ وَمَا فَوْقَھَا۔ وَالْاَرْضِ ھِیَ بِمَعْنَی الْجِنْسِ اَیْ وَجَمِیْعُ مَافِی الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا تَحْتَھَا یَعْنِیْ اَنَّ اللہَ تَعَالٰی اَرٰی اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَشَفَ لَہٗ ذٰلِکَ وَفَتَحَ عَلَیَّ اَبْوَابَ الْغُیُوْبِ۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ باب المساجد، الفصل الثانی، تحت الحدیث، 725،ج 2،ص429)

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات سات زمینوں میں تھی بلکہ ان کے نیچے جو کچھ بھی تھا وہ میں نے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی تھی اور اسے آپ پر منکشف کیا تھا اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے غیب کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

ممکن ہے اس حدیث کی سند کے بارے میں کسی کو شک ہو اس لئے اس کے متعلق مشکوٰۃ کے مصنف کی رائے غور سے سن لیجئے جو انہوں نے یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کرنے کے بعد تحریر کی ہے اگر دل میں حق پذیری کا جذبہ موجود ہے تو بفضلہٖ تعالیٰ یقیناً تسلی ہو جائے گی۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیَّ مِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

(سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب 39، تحت الحدیث 3246، ج 5، ص 161)

(اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے اسی حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: ھذا حدیث صحیح یہ حدیث صحیح ہے)۔

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَقَامًا مَاتَرَكَ شَیْئًا یَكُوْنُ فِیْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِیَهٗ مَنْ نَسِیَهٗ قَدْ عَلِمَ اَصْحَابِیْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَیَكُوْنُ مِنْهُ الشَّیْءُ قَدْ نَسِیْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا یَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَآهُ عَرَفَهٗ۔

(صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب اخبار النبی ﷺ فیما یکون الخ، الحدیث 2891، ص 1545)

(ایک روز ہم میں حضور ﷺ ایک جگہ تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک ہونے والی

کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا ذکر حضور ﷺ نے نہ فرمایا ہو۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔ میرے یہ سارے صحابہ اس کو جانتے ہیں اور ایسا ہوتا کہ کوئی ایسی شے وقوع پذیر ہوتی جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں تو اسے دیکھتے ہی مجھے یاد آجاتا ہے کہ (حضور ﷺ نے یونہی فرمایا تھا) بالکل اسی طرح جیسے تیرا کوئی واقف آدمی کافی عرصہ تجھ سے غائب رہا ہو۔ اور جب تو اسے دیکھے تو تو اسے پہچان لیتا ہے)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث پاک روایت کی ہے وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی قولہ تعالٰی وھو الذی الخ، الحدیث 3192، ج2، ص375)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ قیام فرما ہوئے اور تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہل جنت کے اپنی منازل میں اور اہل دوزخ کے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہونے تک کے تمام حالات سے ہمیں خبر دی۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا)۔

علامہ ملا علی القاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ طیبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

قَالَ الطِّيْبِيُّ حَتّٰى غَايَةُ اَخْبَرَنَا اَيْ اَخْبَرَنَا مُبْتَدَأً مِنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتَّى انْتَهٰى اِلٰى دُخُوْلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَوَضْعُ الْمَاضِيْ مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ مُبَالَغَةً لِلتَّحْقِيْقِ الْمُسْتَفَادَةِ مِنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْاَمِيْنِ ﷺ۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الفتن، باب بدء الخلق، تحت الحدیث 5699، ج9، ص672)

(علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں "حتی" کا لفظ بیان غایت کیلئے ہے۔ یعنی

حضور ﷺ نے اپنے اس جامع خطبہ میں کائنات کی آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے تمام حالات بیان فرمائے۔ جبکہ جنتی اپنے محلات میں قیام پذیر ہو جائیں گے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جنتیوں کا جنت میں دخول تو زمانہ مستقبل میں ہوگا۔ اس لئے حتی یدخل الجنۃ یعنی مضارع کا صیغہ استعمال ہونا چاہئے تھا حدیث میں ماضی کا صیغہ حتی دخل کیوں استعمال ہوا ہے۔

اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیونکہ یہ خبر دینے والا صادق (سچا) اور امین (دیانتدار رسول ہے اس نے آئندہ کے متعلق جو فرمادیا کہ ایسا ہوگا اس کا ہونا بھی اتنا ہی یقینی ہے جتنا اس بات کا جو پہلے واقع ہو چکی ہو۔

اللہ تعالیٰ اسلاف کرام کا نور ایمان عطا فرمائے تب ہی کتاب وسنت کے آئینہ میں حق کا رخ زیبا نظر آتا ہے ورنہ ساری عمر شک وشبہ کی جھاڑیوں میں دامن الجھا رہتا ہے اور قیل وقال سے فرصت نہیں ملتی۔

قرآن کریم کی آیات طیبات اور ان احادیث صحیحہ کے بعد ہم کسی سے اپنے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ لینے کے لئے یہ ماننے یا زبان پر لانے یا اس کا تصور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں کہ شیطان کا علم فخر دو عالم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے یا ایسا علم گاؤ خر اور ہر سفیہ کو بھی حاصل ہے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

اس آیت طیبہ کا جو مفہوم میں نے بیان کیا ہے علماء کرام کی تصریحات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

وَلَعَلَّ الْحَقَّ اَنْ یُّقَالَ اِنَّ الْعِلْمَ الْغَیْبَ الْمَنْفِیَّ عَنْ غَیْرِہٖ جَلَّ وَعَلَا هُوَ مَاکَانَ لِلشَّخْصِ لِذَاتِہٖ اَیْ بِلَاوَاسِطَۃٍ فِیْ ثُبُوْتِہٖ لَہٗ۔۔۔ وَمَاوَقَعَ لِلْخَوَاصِ لَیْسَ مَنْ هُوَ لَایَعْلَمُ الْمَنْفِیَّ فِیْ شَیْءٍ ضَرُوْرَۃً اَنَّہٗ مِنَ الْوَاجِبِ عَزَّوَجَلَّ اَفَاضَہٗ عَلَیْهِمْ بِوَجْہٍ مِّنْ وُّجُوْہِ الْاِفَاضَۃِ۔

(روح المعانی، النمل، تحت الآیۃ 65، الجزء العشرون، ص 297)

(حق بات یہ ہے کہ جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے)

کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا۔ اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے وہ یہ علم نہیں جس کی آیت میں نفی کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیض رسانی سے انہیں حاصل ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی فیض رسانی کی متعدد وجوہ سے کسی ایک وجہ سے انہیں مرحمت فرمایا ہے۔

علامہ موصوف اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں:

وَبِالْجُمْلَةِ عِلْمُ الْغَيْبِ بِلَاوَاسِطَةٍ كُلًّا اَوْ بَعْضًا مَخْصُوْصٌ بِاللّٰهِ تَعَالٰى جَلَّ وَعَلَا لَا يَعْلَمُهُ اَحَدٌ مِنَ الْخَلْقِ اَصْلًا۔ (المرجع السابق، ص299)

(ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم غیب بلا واسطہ کلا او بعضا)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے اور نہ بعض کوئی جان سکتا ہے)۔

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

وغیرہ تعالٰی لایعلم الا باعلامہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جان سکتا مگر اس کے جتانے اور سکھانے سے)۔ (تفسیر مظہری، مترجم، النمل، تحت الآیۃ 65، ج7، ص190)

آخر میں اپنی رائے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقُلْتُ يُمْكِنُ اَنْ يَكُوْنَ التَّقْدِيْرُ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ بِشَيْءٍ اِلَّا بِاللّٰهِ اَيْ بِتَعْلِيْمِهٖ۔ (المرجع السابق، ص191)

(میں کہتا ہوں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے کے بغیر غیب کوئی نہیں جان سکتی)۔

اس تحقیق کے بعد بھی اگر کوئی صاحب علم اہل سنت پر شرک کا الزام لگائے تو اس کی مرضی اس آزادی کے دور میں ہم اس کے لئے دعائے ہدایت کے بغیر کیا کر سکتے ہیں البتہ

اسے یادرکھنا چاہیے کہ اس بہتان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی۔ اس پرآشوب دور میں امت مصطفوی علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنے پر اسے روز حشر جوابدہ ہونا پڑے گا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

(۳) عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ (الجن)

(اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرمالیا ہو۔ (غیب کی تعلیم کے لئے) تو مقرر کردیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ۔

غیب کسے کہتے ہیں اس کی تصریح کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ البتہ شیخ عبدالقادر مغربی نے اس لفظ کی جو تعریف کی ہے وہ زیادہ واضح ہے۔ لکھتے ہیں:

وَالْغَیْبُ مَاغَابَ عَنَّا مَعْشَرَ الْبَشَرِ مِمَّالَا نَهْتَدِیْ اِلَیْهِ بِشَیْءٍ مِنْ حَوَاسِنَا وَمَشَاعِرِنَا اَوْبِشَیْءٍ مِنْ فَرَاسَتِنَا وَقِیَاسِنَا وَ اسْتِنْتَاجِ عُقُوْلِنَا۔

(جو چیز انسانوں سے پوشیدہ اور مخفی ہو اور ہم اسے اپنے حواس اور شعور کی قوتوں سے یا فراست سے یا قیاس سے یا عقل کے زور سے اس تک رسائی حاصل نہ کرسکیں اس کو غیب کہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں جو چیز ان ذرائع میں سے کسی ایک سے دریافت ہوسکے وہ غیب نہیں)۔

عالم الغیب خبر ہے اس کی مبتداء جو محذوف ہے یعنی ھو عالم الغیب۔ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں اس لئے حصر کا معنی بھی پایا جائے گا۔

یعنی وہی غیب کو جاننے والا ہے اس سے پتہ چل گیا کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ذہین وفطین ہو اس کے علم وعرفان کا پایہ کتنا بلند ہو، اس کے درجات کتنے رفیع ہوں وہ غیب نہیں جان سکتا نہ اپنے حواس سے نہ قوت شعور سے نہ فراست سے نہ قیاس سے اور نہ عقل سے بجز اس کے کہ خداوند عالم جو عالم الغیب ہے وہ خود اس کو اس نعمت سے سرفراز فرمادے یہ بھی بتا

دیا کہ علم غیب کے دروازے ہر ایرے غیرے کے لئے کھلے نہیں بلکہ وہ صرف ان رسولوں کو اس نعمت سے نوازتا ہے جن کو وہ چن لیا کرتا ہے۔ یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مطلب جو اس آیت سے بغیر کسی تکلف کے سمجھ آتا ہے۔

علامہ بغوی لکھتے ہیں:

اِلَّا مَنْ یَّصْطَفِیْهِ لِرِسَالَتِهٖ وَنُبُوَّتِهٖ فَیُظْهِرُهٗ عَلٰی مَایَشَاءُ مِنَ الْغَیْبِ

(تفسیر البغوی، الجن، تحت آیۃ 26، ج 4، ص 372)

(اللہ تعالیٰ جس کو اپنی رسالت کیلئے چن لیتا ہے اس کو جس غیب پر چاہے آگاہ کرتا ہے)

علامہ خازن لکھتے ہیں:

اِلَّا مَنْ یَّصْطَفِیْهِ مِنَ رِسَالَتِهٖ وَنُبُوَّتِهٖ فَیُظْهِرُهٗ عَلٰی مَایَشَاءُ مِنَ الْغَیْبِ۔

(تفسیر الخازن، الجن، تحت آیۃ 26، ج 4، ص 319)

علامہ قرطبی کی عبارت ملاحظہ ہو:

ثُمَّ اسْتَثْنٰی مَنِ ارْتَضَاهُ مِنَ الرُّسُلِ فَاَوْدَعَهُمْ مَاشَاءَ مِنْ غَیْبِهٖ بِطَرِیْقِ الْوَحْیِ اِلَیْهِمْ۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، الجن، تحت آیۃ 26، ج 10، الجزء التاسع عشر، ص 22)

(پھر ان رسولوں کو جن کو اس نے چنا ہے مستثنیٰ کر دیا پس ان کو جتنا چاہا اپنے غیب کا علم بطریقہ وحی عطا فرمایا)۔

ابوحیان اندلسی رقم طراز ہیں:

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ اِسْتِثْنَاءٌ مِنْ اَحَدٍ فَاِنَّهٗ یُظْهِرُ عَلٰی مَایَشَاءُ مِنْ ذٰلِكَ

(تفسیر البحر المحیط، الجن، تحت آیۃ 26، ج 8، ص 348)

(من احد سے استثناء کیا گیا ہے یعنی رسول مرتضیٰ کو جتنے غیب پر وہ چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے)۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس، قتادہ، ابن زید سے اس آیت کی یہی تفسیر

نقل کی ہے:

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَصْطَفِيْهِمْ وَيُطْلِعُهُمْ عَلٰى مَا يَشَآءُ مِنْ ذٰلِكَ

(تفسیر طبری، الجن، تحت آیۃ 26، ج 12، ص 275)

(اللہ تعالیٰ رسولوں کو چن لیتا ہے اور انہیں غیب میں سے جتنا چاہتا ہے اس پر آگاہ کر دیتا ہے)۔

علامہ زمخشری معتزلی اپنے عقیدہ اعتزال کے مطابق اس آیت سے انہوں نے اولیاء کرام کی کرامات کی نفی کی ہے لیکن انبیاء کے لئے علم غیب کا انکار انہوں نے بھی نہیں کیا۔

وہ لکھتے ہیں: کہ آیت میں ہے اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسولوں کو غیب پر آگاہ کرتا ہے۔

(تفسیر کشاف، الجن، تحت آیۃ 26، ج 4، ص 632)

اولیاء خواہ وہ مرتبہ ارتضی پر بھی فائز ہوں ۔ بہر حال وہ رسول نہیں ہیں اس لئے انہیں غیب کا علم نہیں ہوسکتا۔

اس کا آسان اور واضح جواب تو یہ ہے کہ اولیاء کرام کے سارے علوم بارگاہ مصطفوی ﷺ کا عطیہ ہوتے ہیں یہی اسی بحر علم کے چند قطرے ہیں جو رب کریم نے اپنے رسول کریم ﷺ کو عنایت فرمایا ہے۔ براہ راست ان پر وحی جلی نہیں ہوتی تا کہ آیت کے منافی ہو۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ انبیاء و رسل کا علم قطعی اور یقینی ہوا کرتا ہے۔

(تفسیر مظہری مترجم، الجن، تحت آیۃ 26، ج 10، ص 113)

اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن اولیاء کا علم انبیاء کے علم کی طرح قطعی یقینی نہیں ہوتا۔ اولیاء کرام کے علم لدنیہ کے بارے میں جس طرح آپ نے قلم اٹھایا ہے آپ کا ہی حصہ ہے۔ اہل ذوق تفسیر مظہری کا اس مقام پر مطالعہ کریں۔

بعض حضرات نے رائے ظاہر کی ہے کہ جن علوم غیبیہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کیا ہے وہ فقط علوم شرعیہ ہیں وہ اس طرح رسول کریم ﷺ سے علوم تکوینیہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔

میری گزارش یہ ہے کہ ان حضرات نے کیا وعلم آدم الاسماء کلھا کا ارشاد الٰہی نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب کے سب اسماء سکھا دیئے۔ جب آدم علیہ السلام کی یہ شان ہے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں تو سید عالم ﷺ جو رحمۃ للعالمین ہیں۔ سارے جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں ان کے علوم و معارف کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لئے سلامتی اسی میں ہے کہ ہم آیات کو وہ معانی نہ پہنا ہیں جن کو ان کے کلمات قبول نہیں کرتے اور سیدھی اور صاف بات جو قرآن کریم نے فرمائی ہے اس کو صدق دل سے تسلیم کرلیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے اور اپنے ان علوم غیبیہ پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا بجز اپنے رسولوں کے ان کو جتنا چاہتا ہے علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے یہ جتنا، کتنا ہے اس کو اللہ تعالیٰ جس نے دیا ہے اور اس کا رسول جس نے لیا ہے وہ بہتر جانتے ہیں۔ یہ حد بندیاں اختراع بندہ ہیں۔ حضور ﷺ کے علم کی بیکرانیوں کا کچھ اندازہ ان احادیث صحیحہ سے ہوتا ہے جن سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔

بشریت مصطفیٰ ﷺ تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں

بعض نادان اور کم فہم لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نعوذ باللہ ہماری طرح بشر تھے۔ ہماری طرح کھاتے پیتے معمولات زندگی ادا کرتے تھے ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ صاحب ضیاء القرآن نے نہایت مدلل اور شرح و بسط کے ساتھ درج ذیل آیت کے تحت تحریر فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ (الکہف)

(اے پیکر رعنائی وزیبائی) آپ فرمائیے: کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح۔ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے۔ پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو)۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بے ہمتا کا ادراک انسان کے بس کا روگ نہیں نہ اس کے ظاہری حواس میں یہ تاب ہے اور نہ اس کے باطنی حواس میں یہ قوت ہے کہ اس کی حقیقت کو پہچان سکیں۔ عقل انسانی اپنی ترکتازیوں اور بلند پروازیوں کے باوجود اس کی عظمتوں کے سامنے سرنگوں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بجز اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ ان آیات بینات میں غور وفکر کیا جائے جہاں اس کی قدرت عظمت حکمت وکبریائی کے جلوے چمک رہے ہیں۔ ان آیات میں جہاں پانی کا قطرہ، ریت کا ذرہ، درخت کا پتہ، زمین کی رنگین وسعتیں، آسمانوں کی ہوشربا رفعتیں، مہر وماہ کی خیرہ کن ضیا پاشیاں ہیں۔ وہاں نبی کی ذات بھی ایک ایسا آئینہ ہوتی ہے جہاں دیدہ بینا کو قدرت الٰہی کے ایسے جلوے نظر آتے ہیں جو اور کہیں نظر نہیں آتے۔ خصوصاً وہ ذات اقدس واطہر جو تجلیات احسانیہ اور انوار رحمانیہ کی ایسی تجلی گاہ ہے کہ عرش عظیم کو بھی اس سے کوئی نسبت نہیں جس کسی کے نیاز آگیں دل اور محبت بھری آنکھوں نے حسن مصطفوی ﷺ کو جتنا جانا، جس قدر پہچانا اور جس قدر چاہا اتنا ہی اسے عرفان خداوندی نصیب ہوا۔

لیکن ہر انسان کا مزاج یکساں نہیں ہوتا بعض لوگ اتنے اکھڑ اور بد دماغ ہوتے ہیں کہ وہ حسن وجمال کے ان پیکروں کے لئے اپنے دل میں قطعاً کوئی کشش محسوس نہیں کرتے بلکہ ان سے نفرت کرتے ہیں اور انہیں حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں ان کے برعکس بعض طبیعتیں اتنی غلط اندیش اور ان کی عقلیں اتنی اوندھی ہوتی ہیں کہ جہاں کہیں کمال کی ذرا سی جھلک دیکھی اسے اپنا معبود اور خدا بنا لیا اور اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو فقط اس لئے خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا کہ انہیں تورات نوک بر زبان تھی۔ حضرت عیسیٰ نے چند معجزات دکھائے تو لوگوں نے انہیں کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا اس غلط فہمی کا سد باب کرنے کے لئے ہر نبی نے جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی اور اس کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے اپنے خداداد کمال کا اظہار فرمایا وہاں کھلے اور واضح انداز میں یہ تصریح بھی کر دی کہ وہ بایں ہمہ کمال وخوبی خدا نہیں بلکہ خدا کے بندے

ہیں خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں معبود نہیں بلکہ عابد ہیں۔ جب جزوی کمالات سے ایسی غلط فہمیاں پیدا ہوں جس کی گرفت میں آج بھی بیشمار لوگ پھڑک رہے ہیں تو وہ ذات اقدس واطہر جو جمال وکمال کا مظہر اتم بنائی گئی اس کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہ تھا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس غلط فہمی کے سارے امکانات ختم کردیئے جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو تمام کمالات سے علی وجہ الاتم متصف کرنے کے باوجود اس آیت میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

علمائے سلف نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا کہ اظہار تواضع کے لئے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ اس فتنے کو روز اول سے ہی ختم کردیا جائے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَلَّمَ اللهُ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ رَسُوْلَهٗ ﷺ التَّوَاضُعَ لِئَلَّا يَزْهِيَ عَلٰى خَلْقِهٖ۔ قُلْتُ فِيْهِ سَدٌّ لِبَابِ الْفِتْنَةِ اِفْتَتَنَ بِهَا النَّصَارٰى حِيْنَ رَاَوْا عِيْسٰى يُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَيُحْيِي الْمَوْتٰى وَقَدْ اَعْطَى اللهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ اِضْعَافَ مَا اَعْطٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَمَرَهٗ بِاِقْرَارِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَتَوْحِيْدِ الْبَارِىْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔

(تفسیر مظہری، مترجم، الکہف تحت آیۃ 110، ج6،ص99)

صاحب کمال کا اظہار تواضع بھی اسی کا کمال ہوتا ہے لیکن بعض کم فہم اور حقیقت ناشناس لوگ اس آیت کو کمالات نبوت کے انکار کی دلیل بناتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نبی کریم ﷺ کی شان رفیع کے متعلق کچھ بتایا جائے۔

ایک روز صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ۔ حضور

آپ کو خلعت نبوت سے کب سرفراز فرمایا گیا؟ حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (مجھے اس وقت شرف نبوت سے مشرف کیا گیا جب کہ آدم علیہ السلام کی نہ ابھی تک روح بنی تھی اور نہ جسم) رواہ الترمذی وصححہ وقال انہ حسن غریب۔ (سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی، الحدیث 3629، ج5، ص351)

نبوت صفت ہے اور موصوف کا صفت سے پہلے پایا جانا ضروری ہے اب خود ہی فیصلہ فرمائیے جو موصوف اپنی صفت سے متصف ہو کر آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اس کی حقیقت کیا تھی؟

ابن تیمیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ: كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ اور كُنْتُ نَبِيًّا وَلَا آدَمَ وَلا ماء لَا طِيْنَ لا أَصْلَ له۔ یعنی ان دو حدیثوں کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، بطلان حدیث کنت نبیا الخ، ج2، ص147)

علامہ خفاجی ابن تیمیہ وغیرہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو موضوع یا بے اصل کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ اور یہ دونوں روایتیں اس کی ہم معنی ہیں۔ اس لئے ان کو موضوع کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک جائز ہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں تخلیق آدم سے پہلے علم الٰہی میں نبی تھا۔ کیونکہ اس میں پھر حضور ﷺ کی کوئی خصوصیت نہ ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پہلے اپنے حبیب کی روح کو پیدا فرمایا اور اسی وقت خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا اور ملا اعلیٰ کو اس حقیقت پر آگاہ کر دیا۔

بَلْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ رُوْحَهُ قَبْلَ سَائِرِ الْاَرْوَاحِ وَخَلَعَ عَلَيْهَا خِلْعَةَ التَّشْرِيْفِ بِالنُّبُوَّةِ اِعْلَامًا لِلْمَلَاِ الْاَعْلٰى بِهٖ۔

چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے: يسبح ذلك النور فتسبح الملائكة بتسبيحه۔ کہ نور محمدی ﷺ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتا اور سارے فرشتے حضور ﷺ کی تسبیح سن

کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے: کسی نے کیا خوب کہا:

گرنہ خورشید جمال یار گشتے راہ نموں

از شب تاریک غفلت کس نبردے راہ بروں

ابن قطان نے اپنی کتاب ''الاحکام'' میں حضرت امام علی زین العابدین سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام سے انہوں نے ان کے جد امجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے حضور سرور عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے:

قَالَ كُنْتُ نُوْرًا بَيْنَ يَدَىْ رَبِّىْ قَبْلَ خَلْقِ آدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ۔

(موسوعۃ الرد علی الصوفیۃ، ہل خلق اللہ ﷺ من نور، ص 4)

یعنی میں نور تھا اور آدم علیہ السلام کی آفرینش سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کریم کے حریم ناز میں باریاب تھا۔

اس حدیث پاک کے آخری تین راوی ائمہ اہل بیت سے ہیں ان کا علم وفہم اور تقوی کسی کی توثیق کا محتاج نہیں۔

البتہ ابن قطان کے متعلق علماء جرح وتعدیل کی رائے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ حدیث کی صحت کے متعلق کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔

علامہ زرقانی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

اَلْحَافِظُ النَّاقِدُ اَبُوالْحَسَنِ عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الْحِمْيَرِیْ كَانَ مِنْ اَبْصَرِ النَّاسِ بِصَنَاعَةِ الْحَدِيْثِ وَاحفظهم لاسماء رجاله واشدهم عناية فى الرواية معروفا بالحفظ والاتقان

(شرح العلامۃ الزرقانی علی المواہب، باب المقصد الاول ج 1، ص 94)

(یہ حافظ اور نقاد حدیث تھے ان کا نام ابوالحسن علی بن محمد ہے۔ فن حدیث میں اس کی بصیرت اپنے ہم عصر لوگوں سے زیادہ تھی وہ اسماء الرجال کے حافظ تھے روایت میں وہ انتہاء درجہ کی احتیاط برتا کرتے وہ اپنے حفظ اور اتقان کے باعث مشہور ومعروف تھے)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور فخر موجودات علیہ افضل الصلوات واطیب التحیات سے پوچھا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ۔

(المصنف (الجزیٔ المفقود) لعبد الرزاق، کتاب الایمان، باب فی تخلیق نور محمد، الحدیث 18، ص 63)

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں مجھے یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کونسی چیز پیدا کی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا ہے۔

ان صحیح احادیث (جن کی توثیق اور تصحیح تھانوی نے نشر الطیب میں کی ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات عالم امکان میں سب سے مقدم ہے آدم وابراہیم بلکہ عرش وکرسی سے بھی بہت پہلے۔

حضور کی دیگر صفات کی طرح نبوت وبشریت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں ہیں۔

اہل معرفت کی اصطلاح میں اسی نور کو حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے اور حقیقت محمدیہ سے حقیقۃ الحقائق ہے۔

بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ سُمِّیَ الْمُصْطَفٰی بِنُوْرِ الْاَنْوَارِ وَبَابِ الْاَرْوَاحِ (زرقانی)

یعنی اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور الانوار اور تمام ارواح کا باپ کہا جاتا ہے یہ مسئلہ بڑا نازک ہے مجھ جیسے کم علم کو یہ زیبا نہیں کہ میں اس میں اپنی خیال آرائی کو دخل دوں۔ بہتر یہی ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی تحقیقات ہدیہ ناظرین کرنے پر اکتفا کروں جن کا علم وتقوی اہل شریعت واہل طریقت دونوں کے نزدیک مسلم ہے اور جن کا قول ساری امت کے نزدیک حجت ہے۔ اسی لئے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں شائد جلوہ حسن محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک دیکھ کر کوئی چشم اشکبار مسکرا دے کسی کے دل بے قرار کو قرار آجائے۔

آپ لکھتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ پیدائش محمدی ﷺ تمام آزاد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خلقت من نور اللہ۔

کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے۔ ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرت ﷺ کا وجود مشہور نہیں ہوتا بلکہ ان کی خلقت وامکان کا منشا عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں کیونکہ اس عالم سے برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب جہان میں ان سے لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہوسکتا ہے۔ (مکتوبات دفتر سوم ترجمہ مکتوب 100 ص 66)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور ﷺ صفت بشریت سے متصف ہیں اور حضور کی بشریت کا مطلق انکار غلط سرتا پا غلط ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضور ﷺ کو بشر کہنا درست ہے یا نہیں؟ جملہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی تعظیم وتکریم فرض عین ہے اور ادنیٰ سی بے ادبی سے بھی ایمان سلب ہوجاتا ہے اور اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بشر کہنے میں تعظیم ہے یا تنقیص ادب واحترام ہے یا سوء ادبی۔

پہلی صورت میں بشر کہنا جائز ہوگا اور دوسری میں ناجائز مہر سپہر علم وعرفان حضرت پیر مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہ نے اس عقدہ کا جو حل پیش کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔

آپ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ بشر مفہوما اور مصداقا متضمن بکمال ہے۔

کیونکہ آدم علیہ السلام کو کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔

اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا۔

کیونکہ اس پیکر خاکی کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ لگنے کی عزت نصیب ہوئی اس لئے اس کو بشر کہا گیا ہے اس خاک کے پتلے کی اس سے بڑھ کر عزت افزائی کیا ہوسکتی ہے نیز یہی بشر ہے جو آپ کے الفاظ میں کمال استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت کمال سے محروم ٹھہرے۔ یہ دونوں چیزیں اگر ذہن نشین ہوں تو بشر کہنے میں تعظیم وتکریم ہے (مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس وناکس سوائے اہل تحقیق واہل عرفان رسائی نہیں رکھتا لہٰذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز ہے۔ (فتاویٰ مہریہ ص4، مطبوعہ 1997ء)

اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ مماثلت کس چیز میں ہے مراتب ودرجات وھبی ہوں یا کسبی۔ کمالات علمی ہوں یا عملی۔ عادات وخصائل روح پرنور بلکہ جسم عنصری تک میں کسی کو مماثلت تو کجا ادنی سی مناسبت بھی نہیں پھر یہ مماثلت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کونسی ہے اور کہاں پائی جاتی ہے یقیناً صرف ایک باب میں مماثلت ہے وہ یہ ہے کہ انه لا اله الا هو۔ وہ بھی ایک خدائے وحدہ لاشریک کا بندہ ہے جس کے تم بندے ہو اس کا بھی وہی خالق ومالک ہے جو تمہارا خالق ومالک ہے۔

سماع موتی ضیاء القرآن کی روشنی میں

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٢﴾ (الروم)

(پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اپنی پکار (خصوصاً) جب وہ پیٹھ پھیر کر جارہے ہوں)۔

آج کل یہ بحث بڑی زوروں پر ہے کہ میت کوئی آواز سن سکتی ہے یا نہیں۔

سماع موتی کے منکرین استدلال کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہوئے بڑے اختصار کے ساتھ آیات قرآنیہ اور احادیث طیبہ اور علماء ربانیین کے اقوال سے جو کچھ سمجھا ہوں وہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے طفیل کجروی سے بچائے اور راست روی کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ اس کی توفیق اور دستگیری کے بغیر علم۔ عقل اور سعی سب بے حاصل ہیں۔

یہ مسئلہ عہد قدیم سے متنازعہ فیہ ہے اس کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں بڑے بڑے فضلاء نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے لیکن جس شرح و بسط سے علامہ ابن قیم نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور اس مسئلہ کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے میرے مطالعہ کی حد تک یہ انہیں کا حصہ ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ موت کیا چیز ہے؟ اس کا مفہوم کیا ہے؟

علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ موت عدم محض اور فنا مطلق کا نام نہیں کہ انسان مرنے تو بالکل نیست و نابود ہو کر رہ جائے بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جانے کو موت کہتے ہیں:۔

اِنَّ الْمَوْتَ لَیْسَ بِعَدَمٍ مَحْضٍ وَاِنَّمَا هُوَ اِنْتِقَالُهٗ مِنْ حَالٍ اِلٰی حَالٍ۔

(کتاب الروح، المسئلۃ الرابعۃ، ص 72)

اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا:

اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ مُسْتَبْشِرِیْنَ

یعنی وہ مجاہدین جن کو کفار قتل کر دیتے ہیں تو پھر بھی وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے بڑے خوش اور مسرور رہتے ہیں۔ جب ظاہری طور پر موت طاری ہونے کے باوجود شہداء کا یہ حال ہے تو صدیقین اور انبیاء کا مرتبہ شہداء سے بدرجہا اعلیٰ وارفع ہے۔ ان کی کیا کیفیت ہوگی؟

علامہ ابن قیم نے یہاں حیات انبیاء پر متعدد دلائل بیان کئے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) شب معراج بیت المقدس میں حضور ﷺ کی ملاقات انبیاء کرام سے ہوئی۔

(۲) اس سفر معراج میں مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء سے ملاقات ہوئی۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے توبار بار ملاقات اور نمازوں کی تعداد پچاس سے گھٹا کر پانچ کروانے کا واقعہ ہر خاص و عام کے علم میں ہے۔

ان دلائل کا ذکر کرنے کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں:

يَحْصُلُ مِنْ جُمْلَتِهِ اَلْقَطْعُ بِاَنَّ مَوْتَ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّمَا هُوَ رَاجِعٌ اِلٰى اَنْ غِيْبُوْا عَنَّا بِحَيْثُ لَا نُدْرِكُهُمْ وَاِنْ كَانُوْا مَوْجُوْدِيْنَ اَحْيَاءً۔ (کتاب الروح، المسالہ الرابعۃ، ص 73)

(مذکورہ دلائل سے اور ان کے علاوہ دوسرے دلائل سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام کی موت کا فقط مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں ہم ان کو نہیں پا سکتے حالانکہ وہ زندہ موجود ہیں)۔

موت کا مفہوم ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آپ یہ سمجھنے کی کوشش فرمائیں کہ موت کے بعد روح اور جسم کا باہمی تعلق کیسے باقی رہتا ہے۔

اس کے بارے میں علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ جسم کے ساتھ روح کے تعلق کی پانچ حالتیں ہیں ہر حالت پر مختلف احکام مترتب ہوتے ہیں۔

(۱) شکم مادر میں جب جسم میں روح پھونکی جاتی ہے۔

(۲) جب انسان اس جہان میں قدم رکھتا ہے۔

(۳) حالت خواب میں۔

(۴) عالم برزخ میں اگرچہ روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے لیکن یہ جدائی کلیۃ نہیں ہوتی بلکہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ کسی نہ کسی طرح باقی رہتا ہے۔

تَعَلُّقُهَا بِهٖ فِى الْبَرْزَخِ فَاِنَّهَا وَاِنْ فَارَقَتْهُ وَتَجَرَّدَتْ عَنْهَا فَاِنَّهَا لَمْ تُفَارِقْهُ

فِرَاقًا كُلِّيًا بِحَيْثُ لَا يَبْقَى لَهَا الْتِفَاتٌ إِلَيْهِ الْبَتَّةَ۔

(المرجع السابق، المسألۃ السادسۃ، ص 84)

اسی تعلق کی بناء پر وہ اپنے زائر کو سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کا اسے علم ہوتا ہے۔

(۵) قبروں سے جی اٹھنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے۔

اس تعلق کے متعلق علامہ لکھتے ہیں:

فَهُوَ أَكْمَلُ أَنْوَاعِ التَّعَلُّقِ إِذْهُوَ تَعَلُّقٌ لَا يَقْبَلُ الْبَدَنُ مَعَهُ مَوْتًا وَلَا نَوْمًا وَلَا فَسَادًا۔ (المرجع السابق)

(روح کا جسم کے ساتھ یہ تعلق تمام تعلقات سے اکمل ہے کیونکہ اس کے بعد جسم کو نہ موت آتی ہے نہ نیند آتی ہے اور نہ اس کے عناصر میں فساد رونما ہوتا ہے)۔

موت کے بعد حشر تک روح کا مقر اور مقام

اس کے متعلق علامہ نے تقریباً سولہ قول لکھے ہیں:

پہلا قول: جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ موت کے بعد روح بھی عدم محض ہو جاتی ہے جسم کی دوسری صفات علم، قوت وغیرہ کی طرح حیات بھی اس کی ایک صفت ہے جسم کے فنا ہو جانے سے جس طرح دوسری صفات فنا ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ قول سراسر باطل ہے۔

کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کے علاوہ دلائل عقلیہ بھی اس کی تردید کرتے ہیں:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿۳۰﴾ (الفجر)

(اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ)۔

یہاں خطاب روح مطمئنہ کو ہو رہا ہے اور اس وقت ہو رہا ہے جب وہ جسم سے الگ ہوتی ہے اگر روح کا اپنا مستقل وجود نہ ہوتا تو پھر اس سے خطاب کیسے کیا جاتا۔

احادیث کثیرہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ روح کا اپنا مستقل وجود ہے۔

وَهُوَ قَوْلٌ لَمْ يَقُلْ بِهِ اَحَدٌ مِنْ سَلَفِ الْاُمَّةِ وَلَا مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَلَا اَئِمَّةِ الْاَسْلَامِ۔ (المرجع السابق، المسئلة السادس عشر، ص183)

یعنی یہ ایسا قول ہے کہ جسے سلف صالحین میں سے کسی نے تسلیم کیا ہے نہ صحابہ تابعین اور ائمہ اسلام کا خیال ہے۔

دوسرا قول: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں یہ قول ہے کہ مومنین کی ارواح برزخ میں ہیں اور جدھر چاہتی ہیں وہ جاتی ہیں:

اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ بَرْزَخٍ مِنَ الْاَرْضِ تَذْهَبُ حَيْثُ شَاءَتْ فَهٰذَا مَرْوِيٌّ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ اَلْبَرْزَخُ هُوَالْحَاجِزُبَيْنَ الشَّيْئَيْنِ وَكَانَ سَلْمَانُ اَرَادَ بِهَافِيْ اَرْضٍ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِمُرْسَلَةً هُنَاكَ تَذْهَبُ شَاءَتْ۔ فَالْبَرْزَخُ هٰهُنَا مَابَيْنَ الدُّنْيَاوَالْآخِرَةِ۔

(المرجع اسابق، المسئلة الخامسة عشرة، فصل، ص178)

برزخ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلْحَاجِزُبَيْنَ الشَّيْئَيْنِ۔

دو چیزوں کے درمیان جو چیز حائل ہے اس کو برزخ کہتے ہیں۔ یہاں برزخ سے مراد دنیا اور آخرت کا درمیانی جہان ہے۔

تیسرا قول:۔ مومنین کی روحیں آدم علیہ السلام کے دائیں جانب ہیں اور کفار کی روحیں آپ کی بائیں جانب۔

چوتھا قول:۔ ابو محمد بن ابی حزم کا قول یہ ہے کہ اجسام کے پیدا کرنے سے پہلے روح جہاں تھی موت کے بعد لوٹ کر پھر وہاں ہی چلی جاتی ہے۔

اِنَّ مُسْتَقَرَّهَا حَيْثُ كَانَتْ قَبْلَ خَلْقِ اَجْسَادِهَا۔ (المرجع السابق، ص180)

پانچواں قول:۔ بعض نے یہ کہا کہ مومنین کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہیں اس سے زیادہ ان لوگوں نے مزید کہنے کی جرأت نہیں کی اور جتنا کچھ قرآن میں ہے ادب واحترام کے تقاضا کے پیش نظر اتنا کہنے پر ہی توقف کرتے ہیں۔

اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَمْ یَزِدْ عَلٰی ذٰلِكَ فَاِنَّهٗ تَاَدُّبٌ مَعَ لَفْظِ الْقُرْاٰنِ حَیْثُ یَقُوْلُ اللّٰهُ عَنْهُ عَزَّوَجَلَّ بل احیاء عند ربهم یرزقون۔

(المرجع السابق، المسئلۃ الخامسۃ عشر، ص 173)

چھٹا قول:۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ارواح اپنی مزارات کے اوپر ہوتی ہیں۔

اَلْاَرْوَاحُ عَلٰی اَفْنِیَةِ قُبُوْرِهَا۔ (المرجع السابق، المسئلۃ الخامسۃ عشر، ص 168)

ساتواں قول:۔ اہل ایمان کی روحیں اگر گناہ کبیرہ یا قرض رکاوٹ نہ بنے تو وہ جنت میں ہوتی ہیں لیکن اپنے جسد خاکی پر ان کی توجہ اس طرح ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے مزارات پر حاضر ہو تو وہ اسے دیکھتے ہیں اور اگر کوئی سلام دے تو اس کا جواب دیتے ہیں۔ اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لئے کہ اگر روح جنت میں یا اعلیٰ علیین میں ہو تو اپنی قبر پر آنے والے کو اتنی دور سے کس طرح پہچانتی ہے اور کس طرح اس کا سلام سنتی ہے کیونکر اس کا جواب دیتی ہے۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ:

لَایَضِیْقُ عَقْلُكَ عَنْ كَوْنِ الرُّوْحِ فِی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی تَسْرَحُ فِی الْجَنَّةِ حَیْثُ شَاءَتْ وَتَسْمَعُ سَلَامَ الْمُسْلِمِ عَلَیْهَا عِنْدَ قَبْرِهَا وَتَدْنُوْا حَتّٰی تَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ وَلِلرُّوْحِ شَاْنٌ اٰخَرُ غَیْرَ شَاْنِ الْبَدَنِ۔ (المرجع السابق، ص 170)

یعنی اس چیز کو تسلیم کرنے سے تنگ دل نہ ہو کہ روح جب ملا اعلیٰ میں ہے اور جنت میں سیر و سیاحت میں مصروف ہے تو وہ کس طرح اپنی قبر پر آنے والے کا سلام سنتی ہے پھر کس طرح نزدیک ہو کر اس سلام کرنے والے کو جواب دیتی ہے کیونکہ روح کی شان اور ہے اور جسم کی شان اور۔۔۔

علامہ نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس چیز کو ثابت کیا ہے کہ روح کے لئے یہ بُعد مکانی اور یہ مسافت کی دوریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں وہ ایک لمحہ میں ملا اعلیٰ سے زمین پر اور زمین سے اعلیٰ علیین پر آ جا سکتی ہے۔ وہ لوگ سخت دھوکہ میں ہیں جو روح کو جسم کی طرح ان

مسافتوں کے طے کرنے سے قاصر سمجھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

کیا تم نہیں جانتے کہ حضور ﷺ جب شب معراج شریف موسی علیہ السلام کے مزار کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا اور جب حضور ﷺ کا موکب ہمایوں افلاک کی بے پایاں رفعتوں کو اپنی سمند ہمت سے روندتا ہوا چھٹے آسمان تک پہنچا تو وہاں پر موسیٰ علیہ السلام کو اپنا منتظر پایا۔ جبرائیل امین ایک لحہ پہلے آسمان کی بلندیوں پر پرکشا نظر آئے تو دوسرے لمحے بارگاہ رسالت ﷺ میں دست بستہ بیٹھے ہوئے حاضر دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ان امور کو ہر آدمی تسلیم نہیں کرتا صرف انہیں سعید روحوں کو یہ استعداد بخشی جاتی ہے جو ان حقائق کو سمجھتے بھی ہیں تسلیم بھی کرتے ہیں اور ان پر یقین بھی رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ علامہ نے ایک مستقل فصل تحریر کی ہے جس میں انہوں نے اسی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ساری روحوں کی حالت یکساں نہیں ہوتی بلکہ قوت وضعف، کبر اور صغر کے اعتبار سے ہر ایک کا رتبہ مرتبہ الگ الگ ہوتا ہے عظیم اور کبیر روحوں کا مقام اتنا بلند ہوتا ہے کہ جس کو ان سے کم درجہ والی روحیں نہیں پا سکتیں روحوں کے درمیان یہ تفاوت ہم اس مادی جہان میں بھی مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور جب روح جسمانی علائق اور مادی پابندیوں سے رستگاری حاصل کر لیتی ہے تو اسے تصرف، قوت، ہمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں جو مقام نصیب ہوتا ہے وہ ان روحوں کو نصیب نہیں ہوتا جو جسم کے اس قفس میں بند ہیں اور جنہیں مادی دنیا کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے۔ عظیم روحیں جب قفس عنصری کو توڑ کر آزاد ہوتی ہیں تو ان کی شان اور علو ہمتی کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ اور ان سے ایسے ایسے کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوتے ہیں جن کا تصور کرنا بھی ہمارے بس کی بات نہیں۔

پھر علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ بارہا لوگوں نے حضور ﷺ کو خواب میں زیارت کی کہ حضور ﷺ کے ساتھ ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم بھی ہیں اور انہوں نے کفار و مشرکین کے جرار لشکروں کو شکست فاش دی اور ان کو مغلوب و مقہور کر دیا حالانکہ مسلمانوں کی فوج

ہر لحاظ سے کمزور تھی علامہ کی عبارت غور سے پڑھیں آپ کا ایمان تازہ ہو جائے گا۔

وَكَمْ رُئِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَعَهُ أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ فِي النَّوْمِ قَدْ هَزَمَتْ أَرْوَاحُهُمْ عَسَاكِرَ الْكُفْرِ وَالظُّلْمِ فَإِذَا بِجُيُوشِهِمْ مَغْلُوبَةٌ مَكْسُورَةٌ مَعَ كَثْرَةِ عَدَدِهِمْ وَعَدَدِهِمْ وَضُعْفِ الْمُسْلِمِيْنَ وَقِلَّتِهِمْ (المرجع السابق، ص 171)

ان کے علاوہ مصنف نے متعدد دوسرے قول ذکر کئے ہیں جن سے بعض سراسر باطل ہیں اور بعض کی کچھ تاویل کی جاسکتی ہے۔

آخر میں علامہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان متعدد اقوال میں سے تمہارے نزدیک راجح قول کونسا ہے جن کے مطابق اعتقاد رکھا جائے۔ تو جواب میں کہا جائے گا کہ ساری روحیں یکساں نہیں ان میں بڑا تفاوت ہے اور اسی تفاوت کی وجہ سے ان کی منزلیں جدا جدا ہیں اور مختلف احادیث میں روحوں کے مختلف ٹھکانوں کا جو ذکر ہے ان میں تضاد نہیں بلکہ مختلف ارواح کے مختلف مقامات ذکر کئے گئے ہیں۔

اس بحث کو سمیٹنے سے قبل علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ روح اور بدن کے احکام اور حالات مختلف ہیں۔ روح جنت میں ہونے کے باوجود اپنی قبر سے اور اس میں مدفون اپنے بدن سے اتصال رکھتی ہے اور اوپر جانے اور نیچے اترنے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں اس کی سرعت رفتار کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) آزاد روحیں (۲) مقید روحیں (۳) علوی روحیں (۴) سفلی روحیں

وَإِنَّ لَهَا شَأْنًا غَيْرَ شَأْنِ الْبَدَنِ وَإِنَّهَا مَعَ كَوْنِهَا فِي الْجَنَّةِ فَهِيَ فِي السَّمَاءِ وَتَتَّصِلُ بِفَنَاءِ الْقَبْرِ وَبِالْبَدَنِ فِيْهِ وَهِيَ أَسْرَعُ شَيْءٍ حَرَكَةً وَانْتِقَالًا وَصُعُوْدًا وَهُبُوْطًا وَإِنَّهَا تَنْقَسِمُ إِلَى مُرْسَلَةٍ وَمَحْبُوْسَةٍ وَعُلْوِيَّةٍ وَسُفْلِيَّةٍ۔

(المرجع السابق، ص 189)

احادیث صحیحہ کثیرہ سے یہ ثابت ہے کہ صاحب مزار اپنے زائر کو پہچانتا ہے اور اس کی آواز سنتا ہے ان میں سے چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) اَخْرَجَ الشَّیْخَانِ وَغَیْرُھُمَا مِنْ طَرِیْقِ قَتَادَۃَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اَنَّہٗ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجآء فی عذاب القبر، الحدیث ،1374، ج 1، ص463)

(امام بخاری وامام مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت انس سے نقل کیا ہے کہ آپ نے کہا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست دفن کرنے کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے)۔

(۲) اَخْرَجَ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَالطَّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ وَابْنُ حَبَّانَ فِیْ صَحِیْحِہٖ اَلْحَاکِمُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ حَدِیْثِ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ اَنَّہٗ یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِھِمْ حِیْنَ یُوَلُّوْنَ عَنْہُ۔

(المستدرک، کتاب الجنائز، المیت یسمع خفق نعالہم، الحدیث ،1444، ج 1، ص716 وتفسیر الدر المنثور، الابراہیم، تحت آیۃ ،27، ج 5، ص31)

(ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابوحبان، حاکم اور بیہقی (جیسے جلیل القدر محدثین) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ اسے دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتی ہے۔

(۳) اَخْرَجَ اِبْنُ اَبِی الدُّنْیَا فِیْ کِتَابِ الْقُبُوْرِ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَامِنْ رَجُلٍ یَزُوْرُ قَبْرَ اَخِیْہِ وَیَجْلِسُ عِنْدَہٗ اِلَّا اِسْتَأْنَسَ وَرَدَّ عَلَیْہِ حَتّٰی یَقُوْمَ۔

(حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب مزار کو اس سے بڑی راحت ہوتی ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ یَعْرِفُہٗ فَسَلَّمَ علیہ رَدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ

وَعَرَفَهُ وَإِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا يَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (البیهقی)

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصلاۃ علی من مات الخ، الحدیث ،9296ج 7،ص 17)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے جاننے والے کی قبر پر آتا ہے اسے سلام کہتا ہے تو صاحب مزار اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اور اسے پہچانتا بھی ہے اور اگر کسی ایسے شخص کے مزار پر آتا ہے جس سے جان پہچان نہیں تھی اور اسے سلام کہتا ہے تو قبر والا اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہے)۔

(۵) بعینہٖ یہی الفاظ علامہ ابن عبدالبر نے بروایت ابن عباس حضور ﷺ سے نقل کئے ہیں:

یہ احادیث اور اس کے علاوہ متعدد کئی حدیثیں نقل کرنے کے بعد علامہ ابن قیم نے سماع موتی کے متعلق اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں:

وَالسَّلَفُ مَجْمُوعُونَ عَلَى هٰذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْآثَارُ عَنْهُمْ بِأَنَّ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ زِيَارَةَ الْحَيِّ لَهُ وَيَسْتَبْشِرُ بِهِ۔ (کتاب الروح، المسألۃ الاولی، ص 24)

(یعنی سلف صالحین کا سماع موتی پر اجماع اور اتفاق ہے ان سے درجہ تواتر تک ایسی روایات مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی زیارت کے لئے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم ہوتا ہے اور اس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے)۔

علامہ عثمانی نے فتح الملہم شرح صحیح المسلم میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے متعدد احادیث اور اقوال علماء تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَالَّذِي يَحْصُلُ لَنَا مِنْ مَجْمُوعِ النُّصُوصِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ أَنَّ سِمَاعَ الْمَوْتٰى ثَابِتٌ فِي الْجُمْلَةِ بِالْأَحَادِيثِ الْكَثِيرَةِ الصَّحِيحَةِ۔

(یعنی ان متعدد روایات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صحیح اور کثیر احادیث سے سماع موتی کا مسئلہ ثابت ہے۔ واللہ اعلم)۔

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ میت سنتی ہے علامہ مذکور نے ان آیات کا مفہوم واضح کیا ہے

جن سے بظاہر سماع موتی کی نفی سمجھی جاتی ہے۔وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

افعال کی دو قسمیں ہیں۔(۱) افعال عادیہ یعنی جن کا وقوع عادت کے مطابق اسباب وعلل کے پائے جانے سے ہوتا ہے مثلاً کسی نے کسی پر بندوق سے فائر کیا اور مر گیا۔ایسے افعال کی نسبت اس بندوق چلانے والے کی طرف کی جاتی ہے۔

(۲) افعال غیر عادیہ:۔جو ظاہری اسباب وعلل کے پائے جانے کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں جیسے کسی نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی۔اور ایک لشکر جرار کو شکست دے دی ایسے افعال کی نسبت اس ظاہر فاعل کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے جیسے ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔

یہاں بھی میت زیر زمین دفن ہے۔اس کے اوپر منوں مٹی کا انبار لگا ہے۔نہ وہاں ہوا کا گزر ہے اور نہ روشنی کا آواز کو کسی تک پہنچانے کے لئے ظاہری سبب ہوا ہے جو یہاں قطعاً مفقود ہے اس لئے میت اگر سنتی ہے تو اس کو سنانے والا وہ زائر نہیں کیونکہ ہوا کے فقدان کے باوجود آواز کو سنا دینا۔کسی انسان کے بس کا روگ نہیں چنانچہ ان آیات میں اس بات کی نفی نہیں کی گئی کہ میت نہیں سنتی بلکہ اس کی نفی کی گئی ہے کہ تم سنا نہیں سکتے۔۔ ما انت بمسمع من فی القبور لیکن اس سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ جسے تم نہیں سنا سکتے اسے خداوند عالم بھی نہیں سنا سکتا ہے۔

اس کی قدرت،اسباب،علل کی محتاج نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

سید انور شاہ صاحب فیض الباری شرح بخاری میں رقم طراز ہیں:

ولہ جواب آخر وھو ان المنفی فی الآیۃ ھو الاستماع دون السماع۔

(فیض الباری،کتاب الجنازہ ،ج2،ص ،467 مطبوعہ مطبع حجازی بالقاہرہ)

علامہ موصوف اسی کتاب کی اسی جلد کے ص 467 پر اپنا عقیدہ تحریر فرماتے ہیں:

اَقُوْلُ وَالْاَحَادِیْثُ فِی سَمْعِ الْاَمْوَاتِ قَدْ بَلَغَتْ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ وَفِی حَدِیْثٍ

صَحَّحَهُ اَبُو عَمْرٍو اَنَّ اَحَدًا اِذَا سَلَّمَ عَلَى الْمَيِّتِ فَاِنَّهُ يَرُدُّ عَلَيْهِ وَيَعْرِفُهُ اِنْ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا۔

(فیض الباری، کتاب الجنازہ، ج2،ص 467، مطبوعہ مطبع حجازی بالقاہرہ)

(میں (سید انور شاہ) کہتا ہوں کہ سماع موتی کے ثبوت کے لئے اتنی احادیث ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام دیتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر صاحب مزار اس کو دنیا میں پہچانتا ہے تو اب بھی وہ اس کو پہچان لیتا ہے)۔

اکابر علماء دیوبند کی تصریحات کا مطالعہ آپ نے فرمالیا۔ معلوم نہیں اب ان کے شاگرد اور پیروکار اپنے ان بزرگوں کے عقیدہ کے برعکس سماع موتی کا انکار کیوں کرتے ہیں اور اولیاء کرام کے مزار پرانوار پر حاضر ہونے والوں پر کفر و شرک کا فتوی کیوں لگاتے ہیں؟

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ آیات میں مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ ایسے سماع کی نفی ہے جو مفید اور نفع رساں ہو۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

سِمَاعُ مَوْتٰى كَلَامَ الْخَلْقِ قَاطِبَةً قَدْ صَحَّ فِيْهَا لَنَا الْآثَارُ بِالْكُتُبِ
وَآيَةُ النَّفْيِ مَعْنَاهَا سِمَاعُ هُدًى لَا يَسْمَعُوْنَ وَلَا يَصْغُوْنَ لِلْاَدَبِ

(فیض الباری، کتاب الجنازہ، ج2،ص 68-467)

میت کا لوگوں کے کلام کو سننا صحیح دلائل سے ثابت ہے اور جن آیات میں سنانے کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ایسا سنانا ہے جو ہدایت کا باعث ہے اور نفع رساں ہو۔

جنگ بدر میں جب بڑے بڑے مشرکین مکہ ہلاک ہوئے تو ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرھم مشرکین کی لاشیں ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا:

يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَاِنِّي

وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا۔

(سنن النسائی، کتاب الجنائز، ارواح المومنین، الحدیث 2071، ص348)

(اے فلاں ابن فلاں اے فلاں ابن فلاں ذلت وعذاب کا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا تم نے اسے سچا پالیا۔ بیشک میرے رب نے نصرت وکامرانی کا جو وعدہ میرے ساتھ فرمایا تھا میں نے تو اسے سچا پالیا)۔

قَالَ عُمَرُ یَارَسُوْلِ اللهِ ﷺ! کیف تکلم اجسادًا لا أرواح فیها

حضرت عمر نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ ایسے لوگوں کو خطاب فرمارہے ہیں جو بے جان لاشے ہیں۔

قَالَ مَا اَنْتُمْ باسمع لما اَقُوْلُ مِنْهُمْ غَیْرَ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَطِیْعُوْن ان یَرُدُّوا عَلَیَّ شَیْئًا۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمها، باب عرض مقعد المیت الخ، الحدیث 76-2873، ص1536)

(تم ان سے زیادہ نہیں سنتے وہ بات جو میں ان کو کرتا ہوں لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے)۔

اس حدیث پاک سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان تو مسلمان، کفار ومشرکین کے مردے بھی سنتے ہیں۔

سماع موتیٰ کے منکرین نے اس حدیث کے جواب میں کہا ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث کی تاویل کی ہے۔ اس لئے یہ حدیث اس مسئلہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین نے حضرت صدیقہ کی اس تاویل کو قبول نہیں کیا بلکہ حضرت ابن عمر کی روایت کو قبول کیا ہے کیونکہ اسے بہت سے صحابہ کرام کی تائید حاصل ہے جو خود اس موقع پر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر تھے اور حضرت صدیقہ وہاں خود موجود نہ تھیں۔

نیز ام المؤمنین نے سماع موتی کی نفی پر اس آیت سے (انك لا تسمع الموتٰی) جو استدلال کیا ہے اس کا جواب جمہور محدثین نے یوں بایں الفاظ دیا ہے۔

اَمَّا اِسْتِدْلَالُهَا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ فَقَالُوْا مَعْنَاهَا لَا تُسْمِعُهُمْ سِمَاعًا يَنْفَعُهُمْ اَوْلَا تُسْمِعُهُمْ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ

(فتح الباری لابن حجر، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، تحت الحدیث 1374، ج 4، ص 201)

(تم ان کو کوئی ایسی بات نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پہنچائے یا تم خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر انہیں کچھ نہیں سنا سکتے)۔

کتب حدیث میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس مسئلہ سے رجوع ثابت ہوتا ہے ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو ابن اسحاق نے المغازی میں یونس بن بکیر سے بسند جید نقل کیا ہے جن کے الفاظ بعینہ حدیث ابی طلحہ جیسے ہیں۔

وَمِنَ الْغَرِيْبِ اَنَّ فِی الْمَغَازِیْ لِابْنِ اِسْحَاقَ رِوَايَةَ يُوْنُسَ بْنِ بُكَيْرٍ بِاِسْنَادٍ جَيِّدٍ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَ حَدِيْثِ اَبِیْ طَلْحَةَ وَفِيْهِ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ

یعنی جو میں کہہ رہا ہوں ان سے زیادہ نہیں سکتے۔

اس کے علاوہ علامہ ابن عبدالبر نے حضرت صدیقہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

قَالَ يُرْوٰی مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَزُوْرُ قَبْرَ اَخِيْهِ فَيَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَاْنَسَ بِهٖ حَتّٰی يَقُوْمَ

(احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت وما بعدہ، ج 5، ص 243)

(حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کے قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب مزار کو اس سے بڑی تسکین اور راحت ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اٹھ جائے)۔

اس روایت سے بھی حضرت صدیقہ کا رجوع ثابت ہوتا ہے۔

علامہ عثمانی نے سماع موتی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی کی یہ عبارت نقل کی ہے:

قَالَ الْعَلَّامَةُ الْاٰلُوْسِیُّ الْبَغْدَادِیُّ وَالْحَقُّ اَنَّ الْمَوْتٰی یَسْمَعُوْنَ فِی الْجُمْلَةِ۔

(روح المعانی، الروم، تحت آیۃ 53، الجزء الحادی والعشرون، ص 79)

(حق یہ ہے کہ مردے یقیناً سنتے ہیں اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)۔

علامہ ابن کثیر نے بھی حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت کو صحیح فرمایا ہے۔

(فتح الملہم، ج 2، ص 478)

وَالصَّحِیْحُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ رِوَایَةُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ لِمَا لَهَا مِنَ الشَّوَاهِدِ عَلٰی صِحَّتِهَا مِنْ وُجُوْهٍ کَثِیْرَةٍ۔ (تفسیر ابن کثیر، الروم، تحت آیۃ 53، ج 6 ص 291)

کیونکہ اس کی تائید دیگر شواہد کثیرہ سے ہوتی ہے۔

حجرہ مقدسہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال سے پہلے حضرت صدیقہ کا یہ معمول تھا کہ جب زیارت کے لئے حاضر ہوتیں تو اوڑھنی کا زیادہ اہتمام نہ کرتیں فرماتیں یہاں ایک میرے سرتاج ہیں دوسرے میرے والد محترم ہیں مجھے پردہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے وہاں دفن ہونے کے بعد جب سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوتیں تو بڑے اہتمام سے سر کو اوڑھنی سے ڈھانپ کر حاضر ہوتیں۔

علامہ ابن کثیر اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَالسَّلَفُ مُجْمِعُوْنَ عَلٰی هٰذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاٰثَارُ عَنْهُمْ بِاَنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ بِزِیَارَةِ الْحَیِّ لَهٗ وَیَسْتَبْشِرُ بِهٖ۔

(تفسیر ابن کثیر، الروم، تحت آیۃ 53، ج 3، ص 582، دار الارقم بیروت)

(سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے کہ متواتر روایات سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے)۔

عقیدہ ختم نبوت ضیاء القرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝ (الاحزاب)

(نہیں ہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)۔

حضور نبی کریم ﷺ کی نہایت شفقت کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ اگر حضور کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضور ﷺ اتنی تندہی سے امت کے سامنے دین اسلام کے سارے گوشے آشکارا کرنے کی شائد زحمت نہ فرماتے لیکن اب جبکہ نبوت کا دروازہ بند کردیا گیا ہے اور حضور ﷺ ہی اس سلسلہ ذہبیہ کی آخری کڑی ہیں تو آپ کی محبت اور الفت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی چیز بھی ادھوری نہ رہنے دی جائے ساری بری رسموں کا قلع قمع کردیا جائے کیونکہ اگر باطل کا کوئی پہلو اصلاح سے محروم رہ گیا تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور اگر دور جاہلیت کی قبیح رسموں کو مٹایا نہ گیا تو پھر ایسی ہستی پیدا ہی نہیں ہوگی جو ان کو مٹا سکے اتنی محبوبیت، اتنی جامعیت اور اتنا تقدس کہاں پایا جائے گا تا کہ دنیا اس کے اشارہ ابرو پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر امت کا اجماع رہا ہے۔

اگرچہ بدقسمتی سے امت مسلمہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے باہمی تعصب نے بارہا ملت کے امن وسکون کو درہم برہم کیا اور فتنہ وفساد کے شعلوں نے بڑے المناک حادثات کو جنم دیا لیکن اتنے شدید اختلافات کے باوجود سارے فرقے اس پر متفق رہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں، اور حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جس نے بھی نبی بننے کا دعوی کیا اس کو مرتد قرار دے دیا گیا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کرکے اس کی

جھوٹی عظمت کو خاک میں ملا دیا گیا۔ مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت صدیق اکبر نے نتائج کی پروا کیے بغیر اس کے خلاف لشکر کشی کی اور تب چین کا سانس لیا جب اس جھوٹے نبی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بیشک اس جہاد میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان بھی شہید ہوئے جس میں سینکڑوں حفاظ قرآن اور جلیل المرتبت صحابہ تھے لیکن حضرت صدیق اکبر نے اتنی قربانی دے کر بھی اس فتنے کو کچلنا ضروری سمجھا۔ آپ نور صدیقیت سے دیکھ رہے تھے کہ اگر ذرا تساہل برتا تو یہ امت سینکڑوں گروہوں میں نہیں سینکڑوں امتوں میں بٹ جائے گی۔ ہر امت کا اپنا نبی ہوگا اور وہ اسی کی شریعت اور سنت کو اپنائے گی اس طرح اس رحمۃ للعالمین کے زیر سایہ اسلام کے پلیٹ فارم پر انسانیت کے اتحاد کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں گی۔ اور انی رسول اللہ الیکم جمیعا کا سہانا منظر بھی نظر نہیں آئے گا۔

ناظرین کو یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ مسیلمہ حضور ﷺ کی نبوت کا منکر نہیں تھا بلکہ اپنے دعویٰ نبوت کے ساتھ ساتھ وہ حضور ﷺ کی رسالت کو بھی تسلیم کرتا تھا۔ چنانچہ حضور خاتم الانبیاء والرسل کی ظاہری زندگی کے ایام میں اس نے جو عریضہ ارسال خدمت کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

مِنْ مُسَيْلَمَةِ رَسُوْلِ اللهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ (کہ یہ خط مسیلمہ کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے محمد رسول اللہ کی طرف لکھا جا رہا ہے)

(صحیح تاریخ طبری، کتاب مسیلمۃ الی رسول اللہ الخ، الحدیث 297، ج 2، ص 340)

علامہ طبری نے اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ اس کے ہاں جو آذان مروج تھی اس میں اشھد أن محمدا رسول اللہ بھی کہا جاتا تھا۔ بایں ہمہ حضرت صدیق نے اس کو مرتد اور واجب القتل یقین کر کے اس پر لشکر کشی کی اور اس کو واصل بجہنم کر کے آرام کا سانس لیا۔

اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں جب بھی کسی سر پھرے طالع آزما یا فتنہ پرداز نے اپنے آپ کو نبی کہنے کی جرأت کی اس کو قتل کر دیا گیا۔

انگریز کی غلامی کے دور میں ملت اسلامیہ کو جس طرح دوسرے کئی مصائب سے دوچار

ہونا پڑا اسی طرح ایک جھوٹی نبوت قائم کر کے امت میں انتشار پیدا کیا گیا وہ مدعی نبوت بظاہر عیسائیت کا رد کرتا تھا اور پادریوں سے مناظرے کرتا تھا اس کے باوجود پرلے درجے کا انگریز کا وفادار تھا بلکہ انگلستان کی شان میں اس نے ایسے تعریفی پمفلٹ لکھے کہ کوئی باغیرت مسلمان ان کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ انگریز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس تھی۔ جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹا کر سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا ایسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا اسلام سے غداری نہیں تو اور کیا ہے؟ انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سنگینوں کے سایہ میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور اس کو قبول کرنے والوں کے لئے بے جا نوازشات کے دروازے کھول دیئے۔ ہر مرزائی کے لئے کسی استحقاق کے بغیر اچھی سے اچھی ملازمتیں مختص کر دی گئیں۔ سیاسی میدان میں بھی ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ بے شک وہ شخص عیسائیت کے خلاف لکھتا اور بولتا تھا لیکن انگریز نے اس کے ذریعہ امت مسلمہ میں ایک نئی امت پیدا کر کے اور ان کے متفقہ بنیادی عقائد میں تشکیک پیدا کر کے جو مقصد عظیم حاصل کیا وہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اپنے دوررس نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اگر ایسا شخص عیسائیت کے خلاف کچھ بولتا ہے تو بولا کرے اس سے انگریزی سیاست کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ عیسائیوں کی مخالفت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ انگریز استعماری کی خدمت پوری دلجمعی سے انجام دے سکتا تھا۔ اگر وہ عیسائیوں کے خلاف کچھ نہ کرتا تو اس کی بات کوئی آدمی سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

مرزا غلام احمد کی نبوت کا پیغام لے کر جب مرزائی مبلغ اسلامی ممالک میں گئے وہاں ان کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں کئی ممالک میں تو انہیں مرتد قرار دے کر توپ سے اڑا دیا گیا۔

عالم اسلام کے تمام علماء نے بالاتفاق اس مدعی نبوت کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا۔

یہ عرض کرنے کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ان بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر گوناگوں اختلافات کے باوجود تیرہ صدیوں تک امت کا کلی اتفاق اور قطعی اجماع رہا ہے جس طرح ایک مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید،

قیامت، حضور ﷺ کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں اس طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی کبھی زیر بحث نہیں آیا اور اس کے ثبوت کے لئے کسی مسلمان کو کسی دلیل، بحث و تمحیص کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن مرزا قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرأت آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی اس لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر شرح و بسط کے ساتھ لکھا جائے کہ حضور ﷺ کا امتی کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آقا کریم ﷺ سے کٹ کر نہ رہ جائے۔ رہے وہ جو شکم کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور مال و دولت کے حصول کے لئے اپنا دین بدلنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے کمال ہوشمندی سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ ہمیں ان کے لئے ملول نہیں ہونا چاہئے نہ ایسے ابن الوقتوں کو خدا کی ضرورت ہے اور نہ اس کے رسول کو۔

ہمارا دعوی بلکہ غیر متزلزل عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ:

حضور سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں حضور کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا اور جو شخص اپنے نبی ہونے کا دعوی کرتا ہے اور جو بد بخت اس کے دعوی کو سچا تسلیم کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے اور اسی سزا کا مستحق ہے جو اسلام نے مرتد کے لئے مقرر فرمائی ہے۔

اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے ہم ایسے استدلال پیش کریں گے جو قطعی اور یقینی ہیں اور جن میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

سب سے پہلے ہم قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ (الاحزاب)

(نہیں ہیں محمد ﷺ کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کا اسم گرامی لے کر فرمایا کہ

محمد ﷺ (فداہ ابی و امی) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں یعنی انبیاء کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں جب مولا کریم جو بکل شیء علیم ہے نے یہ فرمایا کہ محمد مصطفی ﷺ نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں تو حضور ﷺ کے بعد جس نے کسی کو نبی مانا اس نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تکذیب کی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ارشاد کو جھٹلاتا ہے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

خاتم النبیین کا جو معنی یہاں کیا گیا ہے اہل لغت نے اس کا یہی معنی لکھا ہے اس وقت میرے پاس علم لغت کی دوسری کتب کے علاوہ الصحاح للجوھری اور لسان العرب لابن منظور موجود ہیں جن کا شمار لغت عرب کی امہات الکتب میں ہوتا ہے۔ آیئے ان کے مطالعہ سے اس لفظ کی تحقیق کریں ایک چیز پیش نظر رہے کہ صحاح کے مؤلف علامہ حماد بن اسماعیل الجوہری کا سن ولادت 332ھ اور سال وفات 393ھ تا 398ھ ہے اور لسان العرب کے مؤلف علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی مصری کا سن ولادت 630ھ اور سال وفات 711ھ یہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ انکار ختم نبوت سے صدہا سال پہلے یہ کتب لکھی گئی ہیں ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے مذہبی تعصب یا ذاتی عقیدہ کے باعث یہ لکھا ہے تا کہ ان کا قول حجت نہ رہے بلکہ اس کی نگارشات اور ان کی تحقیقات اہل لغت کے اقوال کے عین مطابق ہیں۔

خَتَمَ اللّٰہُ لَہٗ بِخَیْرٍ (خدا اس کا خاتمہ بالخیر کرے) ختمت القرآن: بلغت آخرہ (میں نے قرآن آخر تک پڑھ لیا۔ اختمت الشیء۔ نقیض افتحتہ (افتتاح کا نقیض اختتام ہے۔ والخاتم والخاتم بکسر التاء وفتحھاء والختام والخاتام کلہ بمعنی وخاتمۃ الشیء آخرہ۔ (یعنی خاتم، خاتَم، ختام اور خاتام سب کا ایک ہی معنی ہے اور کسی چیز کے آخر کو خاتمۃ الشیء کہتے ہیں۔ وَمُحَمَّدٌ ﷺ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور حضور ﷺ تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لائے۔

علامہ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

ختام بوادی، اقصاہ، وختام القوم وخاتمهم وخاتمهم، آخرهم محمد ﷺ خاتم الانبیاء علیه وعلیهم الصلوٰة والسلام۔

وادی کے آخری کونے کو ختام الوادی کہتے ہیں۔قوم کے آخری فرد کو ختام خاتم کہا جاتا ہے اسی مناسب سے حضور ﷺ کو خاتم الانبیاء فرمایا گیا۔

لسان العرب میں التہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے:

والخاتم والخاتم من اسماء النبی ﷺ وفی التنزیل العزیز۔ ولکن رسول الله وخاتم النبيين ای آخرهم ومن اسماء العاقب ایضا ومعناه آخر الانبیاء۔ (لسان العرب، الخاء، ج 1، ص 1033)

یعنی خاتم اور خاتم نبی کریم ﷺ کے اسماء گرامی میں سے ہیں قرآن کریم میں ہے ولکن رسول الله وخاتم النبيين۔ یعنی سب نبیوں سے پیچھے آنے والا۔ حضور ﷺ کے اسماء میں العاقب بھی ہے اس کا معنی آخر الانبیاء۔

اہل لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خاتم الانبیاء کی تاء پر زبر ہو یا زیر اس کا معنی آخری ہے اس معنی کی تائید کے لئے اہل لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ وختامه مسك ای آخره مسك۔ یعنی اہل جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر میں انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔

ختم نبوت کے منکرین اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ خاتم کا جو معنی آپ نے بیان کیا ہے (آخری) وہ یہاں مراد نہیں بلکہ اس کا دوسرا معنی مراد ہے۔

اور یہ معنی بھی ان لغت کی کتابوں میں موجود ہے جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے جب ایک لفظ کے دو معنی ہوں تو وہاں ایک معنی مراد لینے پر بضد ہونا اور دوسرے معنی کو ترک کر دینا تحقیق فن کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں۔

وہ کہتے ہیں ہم بھی اس آیت کو مانتے ہیں اور اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں گھڑتے تاکہ ہم پر تحریف قرآن کا الزام نہ لگایا جائے بلکہ لغت عرب کے مطابق ہی اس کا مفہوم

بیان کرتے ہیں کسی کو ہم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔

صحاح اور لسان العرب دونوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مذکور ہے۔ آپ کا یہی معنی ابلغ اور شان رسالت کے شایان ہیں کہ حضور ﷺ انبیاء پر مہر لگانے والے ہیں جس پر حضور ﷺ نے مہر لگا دی وہ نبوت کے شرف سے مشرف ہوگا اور جس پر مہر نہ لگائی وہ نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ بے شک لغت کی کتابوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مرقوم ہے لیکن انہوں نے تصریح کی ہے کہ مذکورہ آیت میں خاتم النبیین کا معنی آخر النبیین ہے۔

یہاں صرف یہی معنی مراد ہے اور یہ لوگ اگر مصر ہوں کہ یہاں خاتم کا دوسرا معنی مراد ہے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے غور و تدبر سے کام نہیں لیا انہوں نے مہر سے مراد ڈاکخانہ کی مہر یا کسی افسر کی مہر سمجھی ہے کہ لفافہ یا کارڈ پر مہر ٹھپہ لگایا اور اسے آگے بھیج دیا یا کسی درخواست پر اپنی مہر ثبت کی اور اسے مناسب کاروائی کے لئے متعلقہ دفتر روانہ کر دیا حالانکہ مہر کا جو مفہوم اہل لغت نے لیا ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے۔

کاش انہیں بے جا تعصب اس امر کی اجازت دیتا کہ وہ ائمہ لغت کی عبارتوں میں غور کرتے۔ آیئے! ہم آپ کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔

لسان العرب میں ہے:

خَتَمَهُ يَخْتِمُهُ خَتْمًا وَخِتَامًا، طَبَعَهُ فَهُوَ مَخْتُوْمٌ وَمُخَتَّم شُدِّدَ لِلْمُبَالَغَةِ۔

(لسان العرب، الخاء، ج 1، ص 1033)

ختم کا معنی مہر لگانا ہے اور جس پر مہر لگا دی جائے اس کو مختوم اور مبالغہ کے طور پر مختتم کہتے ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

وَمَعْنَى خَتَمَ وَطَبَعَ فِي اللُّغَةِ وَاحِدٌ وَهُوَ التَّغْطِيَةُ عَلَى الشَّيْءِ وَالْاِسْتِيثَاقُ عَنْ اَنْ لَّا يَدْخُلَهُ شَيْءٌ كَمَا قَالَ جَلَّ وَعَلَا اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔

(المرجع السابق)

اسی عبارت کا ترجمہ ذرا غور سے سنئے یعنی ختم اور طبع کا لغت میں ایک ہی معنی ہے اور وہ یہ کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ لینا اور مضبوطی سے بند کر دینا کہ اس میں باہر سے کسی چیز کے داخلہ کا امکان ہی نہ ہو۔

پہلے زمانہ میں خلفاء و امراء سلاطین وغیرہ اپنے خطوط کو لکھنے کے بعد کسی کاغذ کے لفافہ اور کپڑے کی تھیلی میں رکھ کر سر بمہر کر دیتے کہ جو کچھ لکھا جا چکا اب اس کو سر بمہر کر دیا گیا ہے۔ تا کہ اس مہر کی موجودگی میں اس میں کوئی ردوبدل نہ کر دے اگر کوئی ردوبدل کرے گا تو وہ پہلے مہر توڑے گا اور جب مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا۔ اس پر احکام سلطانی میں تغیر وتبدل کرنے اور امانت میں خیانت کرنے کے سنگین الزامات میں مقدمہ چلایا جائے گا۔

اس صورت میں خاتم النبیین کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اور اس پر مہر لگا دی گئی۔ تا کہ کوئی کذاب، دجال اس میں داخل نہ ہو سکے اگر کوئی شخص زبردستی اس زمرہ میں گھسنا چاہے گا تو پہلے مہر توڑے گا جب مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا اور اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے لئے عربی زبان کی لغات سے بھی بڑی مدد ملتی ہے لیکن اس سلسلہ میں بھی قول فیصل اور حرف آخر حضور ﷺ کی بیان کردہ تشریح ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ارشاد فرماتے ہیں۔

آیئے! اب احادیث نبویہ کا بغور مطالعہ کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ حضور خاتم الانبیاء نے خاتم النبیین کے کلمات کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے۔

خاتم النبیین کے معنی کی وضاحت کے لئے بے شمار صحیح احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں سب کے ذکر کی گنجائش نہیں۔ فقط چند احادیث یہاں تحریر کی جاتی ہیں جن کے دلوں میں ہدایت کی سچی طلب ہوگی۔ مولا کریم اپنے حبیب مکرم ﷺ کے طفیل ہدایت کی راہیں ان کے لئے کھول دے گا اور اس کی توفیق ان کی دستگیری کرے گی۔

(۱) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَيُعْجِبُوْنَ لَهٗ وَيَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ۔(البخاری کتاب المناقب باب خاتم النبیین)

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، الحدیث ،3535ج2،ص484)

(حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑی ہوئی ہے۔ لوگ اس عمارت کے اردگرد پھرتے اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی۔ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں)۔

اگر آپ اس ایک حدیث میں غور کریں گے تو بلاغت نبوی کے اعجاز کا آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا۔ جب ایک عمارت مکمل ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی جگہ خالی نہیں رہتی تو کوئی ماہر سے ماہر انجینئر بھی اس میں ایک اینٹ کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلی اینٹوں میں سے کوئی اینٹ توڑ کر وہاں سے نکال لی جائے اور پھر اس خالی کرائی گئی جگہ پر کوئی نئی اینٹ لگا دی جائے۔

حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قصر نبوت مکمل ہو گیا اب اس میں کسی اور نبی کی گنجائش نہیں بجز اس کے کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی نبی کو وہاں سے نکالا جائے اور مرزا غلام احمد قادیانی کے لئے جگہ بنائی جائے۔ کیا کوئی عقل سلیم اس کو گوارا کرے گی قصر نبوت کی اس توڑ

پھوڑ کو کیا اللہ تعالیٰ کی غیرت برداشت کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک حدیث ہی اتنی جامع اور اتنی معنی خیز اور بصیرت افروز ہے کہ ختم نبوت کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم نے بھی کتاب الفضائل باب خاتم النبیین میں۔ امام ترمذی نے کتاب المناقب میں اور ابوداؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔

(۲) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطُهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَ خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، الحدیث ،5-523 ص266)

(رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ (۱) مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا یعنی الفاظ مختصر اور معانی کا بحر بے پیدا کنار۔ (۲) رعب کے ذریعہ میری مدد فرمائی گئی۔ (۳) میرے لئے غنیمت کے مال کو حلال کیا گیا۔ (۴) میرے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔ اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کے لئے رسول بنایا گیا۔ (۶) میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا)۔

(۳) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ۔

(سنن ترمذی، کتاب الرؤیا، باب ذہبت النبوۃ الخ، الحدیث ،2279 ج4، ص121)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رسالت و نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی)۔

سرور دو عالم ﷺ کی اس تصریح کے بعد جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں کسی کا نبوت کا دعویٰ کرنا اور کسی کا اس باطل دعویٰ کو تسلیم کرنا سراسر کفر و الحاد ہے۔

(۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَبْعَثْ نَبِیًّا اِلَّا حَذَّرَ اُمَّتَہُ الدَّجَّالَ وَاَنَا آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ وَھُوَ خَارِجٌ فِیْکُمْ لَا مُحَالَۃَ۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنۃ الرجال الخ، الحدیث 4077، ج4، ص404)

(حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال کے خروج سے نہ ڈرایا ہو۔ اب میں آخری نبی ہوں۔ اور تم آخری امت ہو وہ ضرور تمہارے اندر ہی نکلے گا)۔

اس حدیث پاک سے جس طرح حضور ﷺ کا آخری نبی ہونا ثابت ہوتا ہے اس طرح حضور ﷺ کی امت کا آخر الامم ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۵) امام ترمذی نے کتاب المناقب میں یہ حدیث روایت کی ہے:

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَوْ کَانَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ۔

(سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب عمر بن الخطاب، الحدیث 3706، ج5، ص385)

(اگر میرے بعد کسی کا نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمر بن خطاب نبی ہوتے)۔

امام بخاری اور امام مسلم نے فضائل صحابہ کے عنوان کے نیچے یہ ارشاد نبوی ﷺ نقل کیا ہے:

(۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل علی بن ابی طالب، الحدیث 30-2404، ص1310)

حضور ﷺ نے غزوہ تبوک پر روانہ ہوتے وقت حضرت علی المرتضیٰ کو مدینہ طیبہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا آپ کچھ پریشان ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا: (میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون علیہ السلام کی تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔

(۷) آخر میں ایک اور حدیث سماعت فرمایئے اور اس کے ذکر پر احادیث کی نقل کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔

عَنْ ثُوْبَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ۔ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلھا، الحدیث 4252، ج4، ص133)

(حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔

علامہ ابن کثیر متوفی 774ھ متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فَقَدْ اَخْبَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہٖ وَرَسُوْلُہٗ ﷺ فِی السُّنَّۃِ الْمُتَوَاتِرَۃِ عَنْہُ اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ لِیَعْلَمُوْا اَنَّ کُلَّ مَنِ ادَّعٰی ھٰذَا الْمَقَامَ بَعْدَہٗ فَھُوَ کَذَّابٌ وَ اَفَّاکٌ دَجَّالٌ۔ ضَالٌّ۔ مُضِلٌّ۔

(تفسیر ابن کثیر، الاحزاب، تحت آیۃ 40، ج6، ص384)

(اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول کریم ﷺ نے سنت متواترہ میں بتایا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعوی کرے گا وہ کذاب ہے، جھوٹا ہے، دجال ہے، گمراہ ہے دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے)۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ اپنی تفسیر روح المعانی میں تصریح فرماتے ہیں:

وکونہ ﷺ خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اَصَرَّ۔

(تفسیر روح المعانی، الاحزاب، تحت آیۃ 40، الجزء الثانی والعشرون، ص300)

(یعنی حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسا عقیدہ ہے جن کی تصریح قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ نے کی ہے جس پر امت کا اجماع ہے۔ پس جو شخص نبوت کا دعوی کرے گا وہ کافر ہوگا اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور اس دعوی پر مصر رہا تو اس کو قتل کیا جائے گا)۔

علامہ ابن حیان الاندلسی المتوفی 745ھ اپنی تفسیر بحر محیط میں رقم طراز ہیں:

وَمَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّ النُّبُوَّةَ مُكْتَسَبَةٌ لَا تَنْقَطِعُ أَوْ إِلَى أَنَّ الْوَلِيَّ أَفْضَلُ مِنَ النَّبِيِّ فَهُوَ زِنْدِيقٌ يَجِبُ قَتْلُهُ وَقَدِ ادَّعَى نَاسٌ النُّبُوَّةَ فَقَتَلَهُمُ الْمُسْلِمُونَ عَلَى ذٰلِكَ وَكَانَ فِي عَصْرِنَا شَخْصٌ مِنَ الْفُقَرَاءِ ادَّعَى النُّبُوَّةَ بِمَدِينَةِ مَالَقَةَ فَقَتَلَهُ السُّلْطَانُ بْنُ الْأَحْمَرِ مَلِكُ الْأَنْدَلُسِ بِغَرْنَاطَةَ وَصَلَبَ حَتّٰى تَنَاثَرَ لَحْمُهُ

(تفسیر بحر المحیط، الاحزاب، تحت آیۃ 40، ج 7، ص 229)

(جس شخص کا یہ نظریہ ہو کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور اسے اب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے یا جس کا عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہے وہ زندیق ہے اور واجب القتل ہے۔ آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا۔ ہمارے زمانہ میں بھی فقراء سے ایک شخص نے شہر مالقہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ کے شہر میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی پر چڑھا دیا گیا وہ اسی حالت میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا)۔

ان مذکورہ بالا اقتباسات سے امت کا ختم نبوت کے عقیدہ پر اجماع ثابت ہو گیا اور ہر زمانے کے علماء نے مدعی نبوت کو گردن زدنی قرار دیا۔

آخر میں ختم نبوت پر عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

ختم نبوت کے عقلی دلائل

جب حضور ﷺ کی نبوت جملہ اقوام عالم کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے جب حضور ﷺ پر نازل شدہ کتاب بغیر کسی ادنیٰ تحریف کے جوں کی توں موجود ہے۔ جب سرور دو عالم ﷺ کی سنت مبارکہ اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ اس کتاب کی توضیح و تشریح کر رہی ہیں جبکہ شریعت اسلامیہ روز اول کی طرح آج بھی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کر رہی ہے۔ جب قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ آج بھی اعلان کر رہی ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

تو پھر کسی اور نبی کی بعثت کا فائدہ کیا ہے اور اس سے کس مقصد کی تکمیل مطلوب ہے

آفتاب محمدی طلوع ہو چکا۔ عالم کا گوشہ گوشہ اس کی کرنوں سے روشن ہو رہا ہے پھر دن کے اجالے میں کسی چراغ کو روشن کرنا قطعاً قرین دانشمندی نہیں ہے۔

مزید غور فرمایئے نبی کی آمد کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا کہ نبی آیا جس نے چاہا مان لیا جس نے چاہا انکار کر دیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ نبی کی بعثت کے بعد کفر اور اسلام کی کسوٹی نبی کی ذات بن کر رہ جاتی ہے کوئی کتنا نیک یا پاکباز، پارسا۔ عالم باعمل ہو اگر وہ کسی سچے نبی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گا تو اس کا نام مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا اور کفار و منکرین کے زمرہ میں اس کا نام درج کر لیا جائے گا اور یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔

اب ذرا عملی دنیا میں مرزا صاحب کی آمد کا جائزہ لیجئے۔

مسلمانوں کی تعداد کم سے کم اعداد و شمار کے مطابق پچاس کروڑ سے زائد اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں۔ تمام انبیاء جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے ان کی نبوت و صداقت کا اقرار کرتے ہیں قیامت کی آمد کے قائل ہیں عملی طور پر غافل و جاہل سہی لیکن احکام خداوندی اور ارشاد نبوی ﷺ کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ضروریات دین میں سے ہر چیز پر ان کا ایمان ہے اور اس امت میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایسے بندگان خدا بھی ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو شریعت محمدیہ پر پوری طرح کاربند اور عبادات کے سختی سے پابند رہے ہیں۔ ان کے اخلاص و للّٰہیت پر فرشتے رشک کرتے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں پر خود ان کے خالق کو ناز ہے۔

اسی پاک امت میں آ کر مرزا صاحب نے نبوت کا دعوی کر دیا ان کی آمد سے پہلے تو یہ سارے کے سارے مسلمان تھے۔ چلو بعض میں عمل کوتاہیاں ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن کم از کم نعمت ایمان سے تو وہ بہرہ ور تھے اب حقیقت حال یہ ہے کہ پچاس سالہ کوششوں کے باوجود چند لاکھ کی نفری نے مرزا جی کو نبی مانا۔ اور باقی پچاس کروڑ نے ان کو دجال کذاب قرار دیا۔ نبی کو ماننا اسلام ہے اور انکار کفر ہے مرزا صاحب نے اپنا سبز قدم جب دنیائے

اسلام میں رکھا تو یہ بہار آئی کہ سارے کے سارے مرتد قرار پائے اور اسلام سے محروم ہو کر کفر میں مبتلا ہو گئے۔ صرف گنتی کے چند آدمی مسلمان باقی رہے ان میں بھی غالب اکثریت بلیک مارکیٹ کرنے والوں، رشوت لینے والوں، اقرباء نوازی اور مرزائیت پروری کی قربان گاہ پر لاکھوں حقداروں کے حقوق بھینٹ چڑھانے والوں کی ہے ان میں اکثر بے نماز، داڑھی منڈے اور آوارہ مزاج لوگ ہیں۔ ہر قسم کی رذیل حرکتیں کرنے والوں کا ایک لشکر جرار ٹھاٹھیں مارتا ہوا آپ کو نظر آئے گا۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ دنیائے اسلام کے لئے عملی طور پر مرزا صاحب کی آمد برکت کا باعث بنی یا نحوست کا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کو پسند نہیں کرتی کہ مرزا صاحب کو سچا نبی بنا کر بھیجا جائے تا کہ اسلام کے سارے ہرے بھرے پیڑ پر اپنے خنک سائیوں، میٹھے پھلوں، رنگین اور مہکتے ہوئے پھولوں سمیت اکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں اور چند خاردار جھاڑیوں کے جھرمٹ پر گلشن اسلام کا بورڈ آویزاں کر دیا جائے۔ متقیوں، پرہیز گاروں، عالموں، عاشقوں کی امت پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جائے اور چند زاغ صفت طالع آزما افراد کو مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا جائے۔

مرزا صاحب کے امتی بڑی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام پہنچا رہے ہیں ہماری کوششوں سے یورپ میں اتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں اتنے لوگوں کو ہم نے کلمہ پڑھایا۔

گزارش ہے کہ تم مرزا صاحب کو اس لئے نبی کہتے ہو کہ انہوں نے چند کافروں کو کلمہ پڑھایا ہم اولیاء کرام کے زمرہ سے آپ کو ایسے ایسے مبلغ دکھاتے ہیں جنہوں نے ہزاروں لاکھوں کفار کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ خواجہ خواجگان سلطان الہند معین الحق والدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لاکھوں مشرکوں کے زنار توڑے اور ان کی پیشانیوں کو بارگاہ رب العزت میں شرف سجود بخشا۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کفرستان میں راوی کے کنارے پر توحید کا جو پرچم گاڑا تھا وہ آج بھی

لہرا رہا ہے۔ اور لاکھوں خفتہ بختوں کو خواب غفلت سے جگایا ہے۔ مشائخ چشت اور دیگر اولیاء کرام نے اسلام کی جو تبلیغ کی اور جو فرشتہ صفت مرید بنائے ان کے مقابلہ میں ساری امت مرزائیہ کی کوششوں کی نسبت سمندر اور قطرہ کی بھی نہیں۔ ان کارہائے نمایاں کے باوجود ان حضرات نے نہ نبوت کا دعوی کیا نہ مہدیت کا نہ مسیحیت کا نہ ظلی کا نہ بروزی کا بلکہ اپنے آپ کو غلامان مصطفیٰ ﷺ ہی کہا اور اسی کو اپنے لئے باعث صد افتخار اور موجب سعادات دارین سمجھا۔

مرزا قادیانی کو اپنی نبوت تک پہنچنے کے لئے بڑا دور کا چکر کاٹنا پڑا آخر کار آپ کی کمند فکر یہاں آ کر رکی کہ یہ تو احادیث سے ثابت ہے کہ عیسی بن مریم آئیں گے میں کیوں نہ اپنے آپ کو مسیح موعود کہنا شروع کردوں تاکہ مجھے لوگ مسیح مان لیں۔ لیکن اس میں مشکل یہ پیش آئی کہ حضرت مسیح تو زندہ ہیں ان کی زندگی میں میں کیسے مسیح بن سکتا ہوں۔ خیال آیا پہلے مسیح کو مردہ ثابت کروں جب وہ مردہ قرار پاگئے تو پھر میرے لئے میدان صاف ہوجائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سارا زور وفات مسیح علیہ السلام کو ثابت کرنے پر لگا دیا۔

بے شک رحمت عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: کہ قیامت سے قبل حضرت عیسی علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ جن احادیث میں نزول مسیح کے متعلق تشریح کی گئی ہے وہ اس کثرت سے مروی ہیں کہ معنوی طور پر وہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

آیئے! آپ بھی ان احادیث کی جھلک ملاحظہ کیجئے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نبی برحق نے کوئی مبہم پیشین گوئی نہیں کی۔ کسی ایسے مسیح کی آمد کی اطلاع نہیں دی جس کی پہچان نہ ہو سکے اور جس شاطر کا جی چاہے وہ آنے والا مسیح بن بیٹھے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس کا نام بتایا اس کی والدہ کا نام بتایا اس کے لقب سے خبردار کیا اس وقت اور مقام کی نشاندہی کی جس وقت اور جس مقام پر وہ نزول فرمائے گا جو کارہائے نمایاں وہ انجام دے گا۔ اس کی تفصیل بیان فرمادی اور اس کے مدفن کا بھی تعین کردیا اور اس کا حلیہ بھی بیان فرمادیا۔ اب اگر وہ احادیث صحیح ہیں جن میں حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد کی خبر دی گئی ہے

تو ان تفصیلات کو من وعن صحیح اور سچا تسلیم کرنا پڑے گا پھر اسے ان تمام احادیث کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا جن میں ان کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے تحقیق اور انصاف کا یہ کیسا معیار ہے کہ ایک روایت کی مفید مطلب آدھی بات تو مان لی اور اسی روایت کی دیگر تفصیلات کو نظر انداز کر دیا۔

ان کثیر التعداد احادیث میں سے چند احادیث جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے پیش خدمت ہے:

(۱) پہلی حدیث جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب حدیث میں روایت کیا ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ اِبْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدَلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیُفِیْضُ الْمَالَ حَتّٰی لَایَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا۔

(صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب نزول عیسیٰ، الحدیث 3448، ج2، ص459)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے پھر وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو مار ڈالیں گے، جنگ کا خاتمہ کر دیں گے اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ اسے کوئی لینے والا نہ ہوگا اور (دینداری کا یہ عالم ہوگا) کہ اپنے پروردگار کی جناب میں ایک سجدہ دنیا و مافیھا سے بہتر ہوگا)۔

(۲) امام بخاری نے کتاب المظالم باب کسر الصلیب میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَنْزِلَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ۔

(اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک عیسیٰ بن مریم کا نزول نہ ہو)۔

(۳) مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

فَبَيْنَمَا هُمْ يَعِدُّوْنَ الْقِتَالَ يُسَوُّوْنَ الصُّفُوْفَ اِذْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَاَمَّهُمْ فَاِذَا رَاٰهُ عَدُوُّاللهِ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ فَلَوْتَرَكَهُ لَانْذَابَ حَتّٰى يَهْلِكَ وَلٰكِنْ يَّقْتُلُهُ اللهُ بِيَدِهٖ فَيُرِيْهِمْ دَمَهٗ فِيْ حَرْبَتِهٖ۔

(صحیح مسلم، کتاب الفتن والشراط الساعۃ، باب فی فتح قسطنطینیۃ الخ، الحدیث ،2897 ص1548)

(حضور ﷺ نے خروج دجال کے ذکر کے بعد فرمایا: اس اثنا میں کہ مسلمان اس کے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے، صفیں درست کر رہے ہوں گے اور نماز کے لئے اقامت کہی جا چکی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی امامت کرائیں گے اور دشمن خدا دجال ان کو دیکھے گا تو پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے مگر آپ اس کو اپنی حالت پر ہی چھوڑ دیں تو وہ ازخود پگھل کر مر جائے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے نیزے میں اس کا خون لگا ہوا لوگوں کو دکھائیں گے)۔

(۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ نَبِيٌّ (يَعْنِيْ عِيْسٰى) وَاِنَّهٗ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ رَجُلٌ مَرْفُوْعٌ اِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ كَاَنَّ رَاْسَهٗ يَقْطُرُ وَاِنْ لَّمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ فَيُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَيَدُقُّ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُهْلِكُ اللهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ وَيُهْلِكُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ۔ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يُتَوَفّٰى فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ۔

(سنن ابی داود، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، الحدیث ،4324 ج4، ص158)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ میرے اور ان یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور یہ کہ وہ اترنے والے ہیں پس جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا ان کا قد درمیانہ ان کی رنگت سرخ وسپید، دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے گویا اب ان سے پانی ٹپکنے والا ہے حالانکہ وہ بھیگے ہوئے نہ ہوں گے وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے صلیب ٹکڑے ٹکڑے کریں گے

۔خنازیر کو ماردیں گے جزیہ ختم کردیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے بغیر تمام حلقوں کو ختم کردے گا اور وہ (مسیح) دجال کو قتل کردیں گے اور وہ زمین میں چالیس سال قیام فرمائیں گے پھر وہ وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے)

(۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَيَنْزِلُ عِيْسٰى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ فَصَلِّ فَيَقُوْلُ لَا اَنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ، الحدیث، 247-156 ص92)

(حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: عیسیٰ بن مریم اتریں گے مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا حضور تشریف لایئے اور امامت فرمایئے تو آپ فرمائیں گے نہیں تم میں سے بعض دوسروں کے امیر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کی تکریم کے طور پر ہے)۔

(۶) عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ (فِيْ قِصَّةِ الدَّجَّالِ) فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ مَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُوْدَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ اِذَا طَاْطَاَ رَاْسَهٗ قَطَرَ وَاِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ رِيْحَ نَفَسِهٖ اِلَّا مَاتَ وَنَفَسُهٗ يَنْتَهِيْ حَيْثُ يَنْتَهِيْ طَرْفُهٗ فَيَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُدْرِكَهٗ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهٗ۔

(صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب ذکر الدجال الخ، الحدیث، 110-2937 ص1569)

(حضرت نواس بن سمعان نے دجال کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیجے گا اور دمشق کے مشرقی حصہ میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے پروں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب وہ سر جھکائیں گے تو یوں محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی وہ ان کی حد نظر تک جائے گی وہ زندہ نہ بچے گا پھر ابن مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور لد کے

دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے)۔

(۷) آخری ایک اور حدیث سماعت فرمائیے:

عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِیْ أَحْرَزَهُمَا اللهُ تَعَالٰی مِنَ النَّارِ عِصَابَةٌ تَغْزُوْا الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ۔ (سنن النسائی، کتاب الجہاد، غزوۃ الہند، الحدیث 3172، ص517)

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبان سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو لشکر ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ سے بچا لیا ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا اور دوسرا وہ جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔

آپ نے ان احادیث کا مطالعہ فرما لیا ان میں مسیح موعود کا حلیہ، نام، والدہ کا نام، مقام اور وقت نزول، آپ کے کارہائے نمایاں سب کے سب مذکور ہیں۔ خدا کی شان ملاحظہ ہو یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا نام بھی عیسیٰ نہیں حالانکہ ہزاروں مسلمان اس نام کے موجود ہیں ان کی والدہ کا نام بھی مریم نہیں حالانکہ ہزاروں مسلمان عورتیں اس نام کی اب بھی موجود ہیں اور خود قادیان میں اس نام کی کئی لڑکیاں ہوں گی۔ صلیب کو توڑنا، خنزیر کو قتل کر کے عیسائیت کو نیست و نابود کرنا تو کجا میاں جی ساری عمر عیسائی حکومت کے جھولی چک بنے رہے اور اس کی خیرات پر پلتے رہے اور اس کی اسلام کش سرگرمیوں پر تعریف کے قصیدے لکھتے رہے۔ ساری دنیا کو دار السلام بنا کر جزیہ ختم کرنا تو بڑی دور کی بات ہے خدائے مصطفیٰ نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ قادیان کا خطہ پاکستان کا حصہ بنے۔ اب بھی جو لوگ انہیں مسیح موعود مانتے ہیں تو ان کی نادانی قابل صد افسوس ہے۔

ماخذ و مراجع

کتب التفسیر

نام کتاب	مؤلف کا نام و تاریخ وفات	مطبوعہ و سن طباعت
تفسیر ابن عباس	سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	کراچی
تفسیر طبری (جامع البیان فی تاویل القرآن)	امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
احکام القرآن	امام حجۃ الاسلام ابوبکر جصاص متوفی ۳۷۰ھ	باب المدینہ کراچی
معالم التنزیل (تفسیر البغوی)	امام ابومحمد الحسین بن مسعود فراء بغوی متوفی ۵۱۶ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
الکشاف	جاراللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ	مکتب الاعلام الاسلامی قم ۱۴۱۴ھ
مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)	امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی متوفی ۶۰۶ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ
الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی)	ابوعبداللہ محمد بن انصاری قرطبی متوفی ۶۷۱ھ	دارالفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
مدارک التنزیل و حقائق التاویل	امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی ۷۱۰ھ	دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۱ھ
تفسیر الخازن	علاء الدین علی بن محمد بغدادی متوفی ۷۴۱ھ	اکوڑہ خٹک نوشہرہ
تفسیر البحر المحیط	محمد بن یوسف الشہیر ابوحیان اندلسی، متوفی ۷۴۵ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
تفسیر ابن کثیر کل ۴ جلدیں	عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
تفسیر ابن کثیر کل ۴ جلدیں	عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ	دارارقم بیروت

تفسیر ابن کثیر (مترجم)	عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
انوار التنزیل واسرار التاویل	ناصر الدین عبد اللہ ابو عمر بن محمد شیرازی بیضاوی متوفی ۷۹۱ھ	دار الفکر، بیروت ۱۴۲۰
الدر المنثور	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ	دار الفکر، بیروت ۱۴۰۳ھ
تفسیر ابی السعود	علامہ ابو السعود محمد بن مصطفیٰ عمادی متوفی ۹۸۲ھ	دار الفکر، بیروت
تفسیر روح البیان	مولی الروم شیخ اسماعیل حقی بروسی متوفی ۱۱۳۷ھ	کوئٹہ ۱۴۱۹ھ
روح المعانی	ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ
تفسیر عزیزی	شیخ عبد العزیز محدث دہلوی متوفی ۱۳۳۹ھ	
تفسیر مظہری (مترجم)	مؤلف علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۸۱۰ء	ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۱۴۲۳ھ
تفسیر ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کتب الحدیث

المؤطا	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۰ھ
المسند	امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
المصنف	امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی متوفی ۲۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
المصنف فی الاحادیث والآثار	حافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ کوفی عبسی متوفی ۲۳۵ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
المسند	امام احمد بن محمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

کتاب	مصنف	مطبع
سنن الدارمی	امام عبداللہ بن عبدالرحمن متوفی ۲۵۵ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۷ھ
صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
صحیح مسلم	امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ	دارابن حزم بیروت ۱۴۱۹ھ
سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ	دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۰ھ
سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
سنن الدارقطنی	امام علی بن عمر دارقطنی، متوفی ۲۸۵ھ	مدینۃ الاولیاء، ملتان
سنن الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ	دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۱۴ھ
نوادر الاصول	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ	دارصادر بیروت
موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان متوفی ۲۸۱ھ	المکتبۃ العصریۃ بیروت ۱۴۲۶ھ
السنۃ	امام ابوبکر احمد بن عمرو متوفی ۲۸۷ھ	دارابن حزم ۱۴۲۴ھ
البحر الزخار المعروف بمسند البزار	امام ابوبکر احمد عمرو بن عبدالخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ	مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ ۱۴۲۴ھ
سنن النسائی	امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۶ھ
السنن الکبریٰ للنسائی	امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۱ھ
مسند أبی یعلی	شیخ الاسلام ابویعلی احمد بن علی بن مثنی موصلی متوفی ۳۰۷ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ

شرح معانی الآثار	امام احمد بن محمد طحاوی، متوفی ۳۲۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان	علامہ امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی، متوفی ۷۳۹ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
المعجم الکبیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ
المعجم الاوسط	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ
کتاب الدعا	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
المعجم الصغیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۳ھ
الکامل فی ضعفاء الرجال	امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی، متوفی ۳۶۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
المستدرک علی الصحیحین	امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
حلیۃ الاولیاء	حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی شافعی متوفی ۴۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
شعب الایمان	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
البعث والنشور	امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت
السنن الکبریٰ	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ
اثبات عذاب القبر	امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	بیروت
السنن الصغریٰ	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	دار المعرفۃ بیروت

کتاب	مصنف	ناشر
معرفۃ السنن والآثار	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت
تاریخ بغداد	حافظ ابوبکر علی بن احمد خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت
الفردوس ماثور الخطاب	حافظ ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمی، متوفی ۵۰۹ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت
شرح السنۃ	امام ابومحمد حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ
بستان الواعظین	امام ابوالفرج عبدالرحمن ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ	دارالکتب العربی بیروت ۱۴۱۰ھ
الترغیب والترہیب	امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
شرح النووی علی المسلم	امام محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ	باب المدینۃ کراچی
الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان	علامہ امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی، متوفی ۷۳۹ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
مشکاۃ المصابیح	علامہ ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
سنن الدارمی	حافظ عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۷۹۷ھ	کراچی ۱۴۰۷ھ
مجمع الزوائد	حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ	دارالفکر، بیروت ۱۴۲۰ھ
الحصن الحصین	امام ابوالخیر محمد بن محمد ابن الجزری، متوفی ۸۳۳ھ	المکتبۃ العصریۃ بیروت ۱۴۲۵ھ
فتح الباری	امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
عمدۃ القاری	امام بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ	دارالحدیث ملتان ۱۴۱۸ھ

کتاب	مصنف	مطبع
المقاصد الحسنة	علامہ شیخ محمد عبد الرحمٰن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ	دار الکتب العربی بیروت ۱۴۲۵ھ
جمع الجوامع	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
الجامع الصغیر	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۵ھ
ارشاد الساری	شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ	دار الفکر، بیروت ۱۴۲۱ھ
کنز العمال	علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
التیسیر	علامہ عبد الرؤف مناوی، متوفی ۱۰۰۳ھ	دار الحدیث مصر
مرقاۃ المفاتیح	علامہ ملا علی بن سلطان قاری، متوفی ۱۰۱۴ھ	دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ
اشعۃ اللمعات	شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ	کوئٹہ ۱۳۳۲ھ
کشف الخفاء	شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۲ھ
فیض الباری شرح صحیح بخاری فتح الملہم شرح صحیح مسلم	شیخ انور شاہ کشمیری	

کتب العقائد

کتاب	مصنف	مطبع
الفقہ الاکبر	امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ	باب المدینہ کراچی
شرح الصدور	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ	مرکز اہل سنت برکات رضا ہند ۱۴۲۳ھ
رسالہ انباء الاذکیاء لحیوٰۃ الانبیاء در قوم فی الحاوی للفتاوی	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ

البعث والنشور	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	
الدعوات الکبیر	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	
جلاء الافہام	شمس الدین ابو عبداللہ معروف بابن قیم متوفی ۷۵۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
کتاب الروح	شمس الدین ابو عبداللہ معروف بابن قیم متوفی ۷۵۱ھ	دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۱۸ھ
شرح العقائد النسفیۃ	علامہ مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ	باب المدینہ کراچی
المسایرۃ	کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن ہمام متوفی ۹۰۶ھ	مطبعۃ السعادۃ بمصر
المسامرۃ شرح المسایرۃ	کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی شریف متوفی ۹۰۶ھ	مطبعۃ السعادۃ بمصر
الیواقیت والجواہر	عبد الوہاب بن احمد بن علی بن احمد شعرانی متوفی ۹۷۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
الصواعق المحرقۃ	حافظ احمد بن حجر مکی ہیتمی متوفی ۹۷۴ھ	مدینۃ الاولیاء ملتان
منح الروض الازہر	شیخ علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ	باب المدینہ کراچی
شرح الفقہ الاکبر	شیخ علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ	باب المدینہ کراچی

کتب الفقہ

الرسالۃ	محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
فتاوی سراجیہ	امام سراج الدین الاوشی متوفی ۵۶۹ھ	کراچی
المدخل	علامہ محمد بن محمد المشہور بابن الحاج متوفی ۷۳۷ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۵ھ

کتاب	مصنف	ناشر
الدر المختار	محمد بن علی المعروف بعلاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ	دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۰ھ
رد المحتار	محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ	دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۰ھ
الفتاویٰ الهندية	علامہ ہمام مولانا شیخ نظام متوفی ۱۱۶۱ھ وجماعۃ من علماء الہند	دار الفکر بیروت ۱۴۰۲ھ
فتاویٰ عزیزی	شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ	رحمان گلی پبلشرز پشاور
الفتاویٰ الرضوية	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی ۱۳۴۰ھ	رضا فاؤنڈیشن لاہور
فتاویٰ مہریہ	پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی	پاکستان پرنٹر لاہور ۱۴۱۸ھ
بہار شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبہ رضویہ کراچی
	کتب التصوف	
کتاب الزهد	امام عبداللہ بن مبارک مروزی متوفی ۱۸۱ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
احیاء علوم الدین	امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ	دار صادر، بیروت ۲۰۰۰ء
الطبقات الکبریٰ	عبدالوہاب بن احمد بن علی احمد شعرانی متوفی ۹۷۳ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ
مکتوبات امام ربانی	مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی متوفی ۱۰۳۴ھ	مکتبۃ القدوس کوئٹہ
اتحاف السادة المتقین	علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
مثنوی شریف	مولانا روم	
قلائد الجواهر	علامہ مرحوم شیخ محمد بن یحییٰ الحنبلی	دمشق ۱۴۲۵ھ
	کتب السیرة	
السيرة النبوية لابن هشام	ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری متوفی ۲۱۳ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ

دلائل النبوۃ	امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۳ھ
الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	القاضی ابوالفضل عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ	مرکز اہل سنت برکات رضا ہند ۱۴۳۲ھ
الوفاء	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ
البدایۃ والنہایۃ	عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ	دار الفکر، بیروت ۱۴۱۸ھ
الخصائص الکبری	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
وفاء الوفاء	نور الدین علی بن احمد السمہودی، متوفی ۹۱۱ھ	مرکز اہل سنت برکات رضا ہند ۱۴۲۱ھ
المواہب اللدنیۃ	شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۶ھ
معارج النبوۃ	المعین الحاج محمد الفراہی المعروف بملا مسکین متوفی ۹۵۴ھ	
شرح الشفا	ملا علی قاری ہروی حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
مدارج النبوۃ	شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ	نوریہ رضویہ لاہور ۱۹۹۷ھ
شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ	علامہ محمد زرقانی بن عبدالباقی، متوفی ۱۱۲۲ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
حجۃ اللہ علی العالمین	امام محمد یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ	مرکز اہل سنت برکات رضا ہند
ضیاء النبی ﷺ	حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری، متوفی ۱۹۹۸ء	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

کتب اللغات

المفردات للراغب اصفهانی	ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی متوفی ۵۰۳ھ	کراچی
لسان العرب	ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور	موسسۃ الاعلمی بیروت
القاموس المحیط	مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ

کتب الاعلام والتاریخ

صحیح تاریخ طبری	امام ابوجعفر بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ	دارابن کثیر دمشق بیروت ۱۴۲۸ھ
معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۲ھ
الطبقات الکبری	محمد بن سعد بن منیع الہاشمی البصری المعروف ابن سعد	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
سیر اعلام النبلاء	امام شمس الدین محمد بن عثمان الذہبی، متوفی ۷۴۸ھ	دارالفکر بیروت ۱۴۱۸ھ

الکتب المتفرقۃ

الخیرات الحسان	شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۳ھ
رسالہ یک روزہ	اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ	فاروقی کتب خانہ ملتان
ایضاح الحق	اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی
تقویۃ الایمان	اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ	میر محمد کتب خانہ کراچی
صراط مستقیم	مرتب اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ	مکتبہ سلفیہ، لاہور
فتاوٰی ابن تیمیۃ	احمد بن تیمیہ	سعودی عرب ۱۴۱۶ھ